مولانا آزاد لائبریری

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

ڈاکٹر رام بابو سکسینہ کلکشن

(عطیہ: مسز آفتاب سکسینہ)

U 32204

title - Aasi

creator - Abdul Aleem Aasi; Murattiba Sayyed Mohammad Nameen

Publisher - Public Press (Ghazipur)

Date - 1925

Pages - 12, 64, 92

Subjects - Urdu Shayari - Kulliyaat-o-Dawaween; Aasi; Abdul Aleem - Sawaneh-o-Tanqeed.

٨٩١٥٤٣١٠٢
٣٠٧١
(١١٥٣ ١)

U32204
ALIGARH MUSLIM UNIVERSITY
۳۳۲۰۲

مجھے یہ فخر حاصل ہے کہ مین مدتون حضرت مولانا کے حضور مین حاضر رہا اگو براہ راست
شرف خدمت نہ تھا لیکن جدی مولوی محمد عثمان صاحب مرحوم کی معیت مین صدہا
بار خانقاہ رشیدی مین حاضر ہوتا رہا، اور خود دہن مبارک سے متعدد اشعار سنے جب
کوئی دیوان کی طباعت پر اصرار کرتا تو فرماتے "کہ نظر ثانی کرلون"۔ جدی مولوی محمد عثمان
صاحب مرحوم بالالتزام حضرت مولانا سے اصرار فرماکر غزلین سنتے اور اونہین
بیاض مین محفوظ رکھتے، گو مین اوس زمانہ مین بہت چھوٹا تھا لیکن مجھے حضرت مولانا
کے کلام سے ایک فطرتی مناسبت تھی۔ شاید یہی وہ عقیدت تھی جسے دیکھکر مولوی
محمد عثمان صاحب مرحوم نے مجھے اپنی خاص بیاض سے غزلون کے نقل کی اجازت
عطا فرمائی۔ موجودہ ہدیہ اوس بیاض کی صحیح نقل ہے۔

مین نے اپنے زمانہ قیام الہ آباد مین حضرت مولانا کے وصال پر ملال کی جانگاہ
خبر سنی اس سلسلہ مین ایک واقعہ خاص طور پر قابل الذکر ہے، مین نے ایک شب
یہ خواب دیکھا کہ مین حضرت مولانا سے شرف بیعت حاصل کر رہا ہون، صبح ہوئی

اور حادثۂ المناک کی خبر سُنی، مین متعجب تھا کہ آخر اس خواب کی تعبیر کیا ہوگی!

حضرت مولانا کا دیوان ۱۷۔۱۸ء مین گورکھپور سے شایع ہوا، اس دیوان نے گو عوام کی منتظر طبیعتون کو کسی حد تک مطمئن ضرور کردیا لیکن خاصان بارگاہ آسی کی بےچین طبیعتین بھر بھی عمدہ تر کاوش کی منتظر ہین۔ مولانا سبحان اللہ صاحب رئیس گورکھپوری کے پاس مولانا کے کلام کا بہترین ذخیرہ ہے جس کی طباعت مین وہ کوشان ہین، خدا کرے کہ وہ جلد طبع ہو۔

گو ایک دیوان طبع ہوچکا تھا، اور دوسرے کی امید تھی، بایں ہمہ میری عقیدت مند طبیعت اس امر پر مصر تھی کہ مین حضرت مولینا کے دیوان کو انوکھی ترتیبون سے مرتب کرون، اور اوسکے ابتدا مین ایک ایسا مبسوط مقدمہ رکھون جو مولانا کی شاعری کا دنیا سے صحیح تعارف کرادے۔

خدا کا شکر ہے کہ مین کامیاب ہوا، اور

ہاشمی اوس خواب کی شاید یہی تعبیر ہے۔

مین اس ایڈیشن مین مولانا کی سوانح پر روشنی نہ ڈال سکا، انشاء اللہ دوسرے ایڈیشن مین جو اس سے ہر صورت مین بہتر ہوگا، اس کمی کو پورا کردون گا۔

غازی پور ۱۔ نومبر ۲۵ء

سید یامین ہاشمی

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

مختصر سوانح حضرت مولانا شاہ عبد العلیم صاحب آسی قدس سرہ

۱	نام مبارک	حضرت مولانا شاہ عبد العلیم صاحب (رحمۃ اللہ علیہ)
۲	والد ماجد کا نام	مولانا قنبر حسین صاحب مرحوم مغفور
۳	آبائی وطن	موضع سکندر پور ضلع بلیا
۴	تاریخ و سنہ پیدائش	۴ شعبان سنہ ۱۲۵۰ھ
۵	مقام پیدائش	سکندر پور ضلع بلیا
۶	تربیت کہاں پائی	ابتداً قاضی پور بعدہ سکندر پور
۷	تحصیل علم	مولانا عبد الحکیم صاحب فرنگی محلی سے کتب درسیات ختم کیا۔
۸	بیعت	حضرت شاہ غلام معین الدین سمیری حیدری رشیدی قدس سرہ سے سلسلہ قادریہ احمدیہ میں تھی۔

۹	تخلص	آسی
۱۰	تلمذ	ابتدائی غزلین شاہ افضل صاحب الہ آبادی و ناسخ لکھنوی کو دکھلائی تھین
۱۱	شادی کہان اور کس خاندان مین ہوئی	نورالدین پورہ - جناب منشی راحت علی صاحب مرحوم کے دختر سے شادی ہوئی -
۱۲	تاریخ و سنہ و وقت وصال	۲ جمادی الاوّل ۱۳۳۵ھ ایک بج کر ۲۵ منٹ بوقت دن
۱۳	مدفن	محلہ نورالدین پورہ شہر غازی پور (یوپی)
۱۴	مخصوص پس ماندگان کے نام	(غازی پور) جناب عزت بی بی صاحبہ نواسی - جناب مولوی بدرالحق صاحب (سکندرپور) - مولانا محمد احمد صاحب امین - مولانا نورالعینین صاحب

نقشہ مزار مبارک حضرت مولانا شاہ عبدالعلیم صاحب آسی رحمۃ اللہ علیہ

محلہ نورالدین پور شہر غازی پور

(سیکرٹری آسی غازی پوری)

فہرست مضامین

نمبر	عنوان	صفحہ
(۱)	مقدمہ	۱
	(الف) (۱) حضرت آسی	۴
	(۲) تلامذہ	۷
	(۳) شعار شاعری	۸
	(۴) محاسن کلام	۹
	- تلمیحات	۱۱
	- موسیقی	۱۳
	- فطرتی شاعری	
	(ب)	
	حضرت آسی اور تعلیم قرآن	۱۴
	(ج)	
	فلسفہ تصوف	۲۱
	(۱) تمہید (اسلام میں روحانی تعلیم)	۲۱
	(۲) تصوف کی نشوونما	۲۷

نمبر	عنوان	صفحہ
	(۳) یونانیوں کا فلسفہ روحانیت	۳۱
	(۴) عیسائیت اور اوسکے راہبوں کی مذہبی تعلیم	۳۳
	(۵) ہندوؤں کا فلسفہ روحانیت اور بدھ کی تعلیم	۳۷
	(۶) اسلام میں روحانی تعلیم	۳۹ و ۳۰
	(د)	
	مولانا آسی کی صوفیانہ شاعری	۴۲
	(۱) - تمہید	۴۳
	(۲) - وحدۃ الوجود	۴۵
	(۳) - راز آفرینش	۵۳
	(۴) - موت یا فنا	۵۸
	(۵) - مسئلہ توسل	۶۳
	(۶) - تزکیہ نفس	۶۵
	(ر)	
	مولانا آسی کی اخلاقی شاعری	۶۷

عنوان	صفحہ
(۱) تمہید	۶۷
(۲) - دنیا کی سب بے ثباتی	۷۲
(۳) - توکل	۷۳
(۴) - وقت کی قدر و محبت	۷۶
(س)	
مولینا آسی کی شاعری پر ایک فلسفیانہ نظر	۷۸
(۱) - تمہید	۷۸
(۲) - ذات باری	۸۲
(۳) - فلسفۂ رسالت	۸۵
(۴) - فلسفۂ زیست	۸۷
(ص) نمونہ کلام	۹۱
غزلیات	
رباعیات	
شرح	

ALIGARH.
UNIVERSITY

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت آسی

مشہور ہے کہ حضرت شاہ عبدالعلیم صاحب قدس سرہٗ وبرہانہٗ ابتدا میں عاصی تخلص فرماتے تھے، لیکن افسوس ہے کہ حضرت مولانا کا ابتدائی کلام ہمارے پاس موجود نہیں ورنہ اس روایت کی تصدیق ہو جاتی۔

حضرت مولینا کو ابتدا ہی سے شعر و شاعری کا شوق تھا، لیکن آسی کی ابتدائی شاعری بھی اون لغویات سے پاک تھی جو عموماً مبتدیوں میں پائی جاتی ہیں۔ خوش قسمتی سے آپکی سب سے پہلی غزل کا ایک شعر اب تک حضرت مولانا کے خدام کی زبانوں پر جاری ہے ؎

تجھ پہ ظاہر یہ مرا عشق نہاں تھا یا نہ تھا!
جو چھپا سب سے تھا تجھ پہ وہ عیاں تھا یا نہ تھا!

یوں ممکن ہے کہ آسی نے اپنے احباب سے مشورہ سخن لیا ہو لیکن سب سے پہلے جس شخص کو غزل دکھائی وہ حضرت افضل الہ آبادی تھے حضرت افضل ناسخ کے ارشد تلامذہ میں تھے اور دائرہ شاہ اجمل میں مدتوں استاد کی صحبت کا لطف اٹھاتے رہے۔ حضرت آسی نے اپنی پہلی غزل انہیں کو دکھائی اس غزل کے چند اشعار تبرکاً ہدیہ ناظرین ہیں۔

قربان ہوں جس پہ وہ جوان عربی ہے — مکی مدنی ہاشمی و مطلبی ہے
دل ہے کہ شہید خم ابروئے نبی ہے — گردن ہے کہ ہر دم تہ تیغ عربی ہے
نازک بدنی یہ کمری غنچہ لبی ہے — کیا کہئے تصور تری بوالعجبی ہے

اس غزل کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مولانا کے دل میں عشق رسول کی موجیں ابتدا ہی سے لہریں لے رہی تھیں حضرت افضل الہ آبادی نے حضرت آسی کی غزلوں کے دیکھنے کے بعد فرمادیا کہ اب کسی مشورے کی ضرورت نہیں۔

حضرت آسی کا [illegible] کلام ضبط ہو گیا، با اینہمہ مولانا سبحان اللہ صاحب

رئیس گورکھپور کے پاس حضرت کا کسیقدر ابتدائی کلام موجود ہے۔
حضرت آسی کی زندگی کا زیادہ حصہ غازیپور میں بسر ہوا اور اسی باعث ہم کہہ سکتے ہیں کہ اونکی شاعری کا جولان گاہ بھی غازیپور ہی رہا۔ مولانا کی شاعری کو غازیپور کی سرزمین سے ایک خاص خصوصیت ہونیکی وجہ یہ تھی کہ اوس زمانہ میں وہاں شعر و سخن کا چرچا بیحد تھا۔ حضرت کاشف مع اپنے تلامذہ کے ایک خاص رنگ بیان کے موجد ہو رہے تھے۔ شمشاد لکھنوی اور شاد بلیم پوری کے ایسے ذہین اور طباع اصحاب علیحدہ اپنے کلام سے لوگوں کو محظوظ کرتے تھے۔ یہ سب کچھ تھا لیکن بزم سخن میں جائے استاد خالی تھی۔ میدان سخن میں حضرت آسی کی تشریف آوری نے سبکو کھینچکر اون کی جانب متوجہ کر دیا۔ ہم عمر مشورہ لینے لگے اور نوجوان زمرۂ تلامذہ میں داخل ہو گئے۔

حضرت کاشف مین اور حضرت آسی مین بہت زیادہ ربط و اتحاد تھا باوجود ہمعصر آپس میں مشورۂ سخن بھی لیتے رہے۔ مشاعرہ میں دونوں اصحاب ساتھ شرکت فرماتے تھے، مشاعرہ کی چند غزلیں ابتک موجود ہیں۔ حضرت کاشف

شبنم کے قطرے دو پیالیاں بھر کے لائی ہیں ہوگا نماز صبح مین تازہ وضوئے گل

تلامذہ حضرت آسی بہت کم کسی شخص کی غزلوں پر اصلاح دیتے تھے اور اسی باعث اون کے تلامذہ کی تعداد بھی بہت کم ہے، لیکن ایک اہل نظر یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ جس نے خود کو حضرت مولانا کے تلامذہ مین شامل کیا وہ چند ہی دنوں بعد اوستاد کہے جانیکا مستحق ہوگیا۔ حضرت آسی کے جن شاگردوں میں حسب ذیل اصحاب ہیں۔

۱۔ حضرت شمشاد لکھنوی
۲۔ مولوی علی حسن صاحب حسن
۳۔ حکیم سید محمد صاحب شاد سلیم پوری
۴۔ مولوی عثمان صاحب وکیل فدائی جونپوری
۵۔ مولوی عبدالصمد صاحب وکیل غازی پوری
۶۔ حافظ محمد فرید صاحب
۷۔ جناب ذاکر حسین صاحب انجم
۸۔ شیخ محمد حسن صاحب
۹۔ حکیم سید محمد سعید صاحب قیس

حضرت شمشاد سے مولانا آسی کو خاص تعلق تھا، حضرت کاشف کے وصال کے بعد شمشاد۔ فدائی اور شاد کے علاوہ بہت کم کسی شخص کو مولانا آسی اپنے اشعار سناتے تھے۔ حضرت شمشاد کی سخن سنجی کی اکثر تعریف فرماتے رہے ؎

شمشاد سے آسی کے عجب نغمے ہیں
اپنی بھی یہ خبر کچھ نہ پرائے کی خبر ہے

حکیم سید محمد صاحب شاد (مرحوم مغفور) کی ذہانت کا بارہا تذکرہ فرماتے رہے، حکیم محمد جعفر صاحب کاشف کے بعد حکیم سید محمد صاحب ہی کی طرف وقت ضرورت رجوع فرماتے رہے۔ شاد فرماتے ہیں۔

تمہارا ہر سخن اک جلوہ گاہ فیض آسی ہے
بھلا آسان تھا یہ رنگ شاد اپنی لیاقت سے

حضرت فدائی کی جانب بھی خاص توجہ فرماتے رہے، چنانچہ اپنے دیوان کا معتدبہ حصہ اونہوں نے حضرت فدائی کی زیر نگرانی مرتب کرایا تھا۔ راقم الحروف کو اکثر مولوی عثمان صاحب کے ساتھ حضرت مولینا کی خدمت مین حاضر ہونے کا اتفاق ہوا۔ مولوی عثمان صاحب کو دیکھکر حضرت مولانا اکثر فرماتے، "میان عثمان! رات مین نے ایک غزل لکھی ہے، اوسے بھائی تم لکھکر محفوظ کر لو ورنہ ضایع ہو جائے گی"۔

حضرت فدائی کو مولانا آسی کی وہ غزل بہت پسند تھی جسکا یہ شعر بہت مشہور ہے

عمر اپنی روان ہے تو اقامت سے سروکار
سمجھے اگر انسان تو دنیا سفر ہے

حضرت فدائی نے اسی زمین مین ایک [illegible] اور حضرت مولینا کی خدمت

میں حاضر ہو کر سنائی گھر کا قافیہ کیا خوب بندھا ہے۔

اس دلق فقیری میں نہ کچھ مال نہ زر ہے
بس اک دل آگاہ جو اللہ کا گھر ہے
اوس راہ کا رہرو ہوں خضر جس میں گرہ
جز منزل مقصود حذر ہے نہ سفر ہے

آخر الذکر شعر سنکر حضرت مولانا نے بیحد تعریف کی۔

ابتک ہم نے مولینا کی ابتدائی شاعری اور ان کی تلامذہ کے مختصر حالات بیان کئے، اب ہم مولانا کی خصوصیات شاعری کا تھوڑا سا ذکر کر دینا چاہتے ہیں۔ بقول ٹیگور ایک ظاہر بین عمدہ کلام کا یہی معیار قرار دیتا ہے کہ اس میں صنائع وبدائع کافی ہوں، الفاظ چٹکیلے ہوں، محاورہ روزمرہ کے درج ہوں، لیکن ایک مبصر کے نزدیک خوبی کلام کا کچھ اور ہی معیار ہے، اوس کے پاس دوسری ہی کسوٹی ہے جسپر وہ زر سخن کو جانچتا ہے۔

ٹیگور کا خیال بہت صحیح ہے لیکن دنیا میں ظاہر بینوں کی تعداد بہت زیادہ اور اسی لئے ہمنے آسی کے کلام کی معنوی خوبیوں کے بیان پر اکتفا نہ کی بلکہ یہ بھی مناسب سمجھا کہ اونکے کلام معجز نظام کے ظاہری محاسن بھی لوگوں پر واضح

ہو جائیں۔

شعار شاعری، دنیا نے اس اصول کو تسلیم کر لیا ہے کہ ہر شخص ایک خاص شعار رکھتا ہے جسکے مطابق اُس کے تمام اقوال و افعال سرزد ہوتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں۔ اُسے ایک قسم کا دستور العمل کہئے کوئی ضرور نہیں کہ ایک ہی دستور العمل ہر شعبۂ زندگی میں یکساں کارآمد ہو۔ زندگی کا دستور العمل کچھ اور ہے، محبت کا ماٹو دوسرا ہے، کاروبار میں ایک تیسرا اصول ہے۔ غرض زندگی کی ہر شاخ ایک جداگانہ دستور العمل رکھتی ہے اور اُسی دستور العمل کے مطابق اوس شعبۂ زندگی کے تمام افعال سرزد ہوتے ہیں۔ یہ بھی کوئی ضرور نہیں کہ ہم اپنا شعار بہ بانگ دہل اعلان کر دیں اور اُس کی تشہیر ہو جائے۔ اکثر ہمارے افعال و حرکات ہمارے شعار کا پتہ دیتے ہیں۔ اور بارہا ہماری زندگی ایک خاص اصول زیست مقرر کر دیتی ہے۔ مشاہیر دنیا میں اکثروں نے اپنا دستور العمل بنا لیا تھا، بادشاہوں اور فوجی افسروں میں یہ بہت عام بات ہے، لیکن مصنفین میں (الا ماشاء اللہ) اسکا رواج بہت کم پایا جاتا ہے، مغربی مصنفین میں تو بہتیرے بھی ایک کثیر تعداد اپنا دستور العمل رکھتی ہے مگر فارسی میں سوائے مولانا روم اور سعدی کوئی شخص اسکا دعویدار نہیں ہو سکتا۔

اُردو میں غالب پہلا شخص ہے جسنے برسوں پہلے اپنی شاعری کا ایک اصول بنا دیا ہے ؎

ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو
بنتی نہیں ہے شیشۂ و ساغر کہے بغیر

حضرت آسی غالب کے ہم خیال ہیں۔ لیکن اُنہوں نے اپنے اس اصول کو نہایت واضح طور پر بتا دیا ہے۔

اگر بیانِ حقیقت نہ ہو مجاز کیساتھ
تو شعر لغو ہے آسی کلام ناکاں

محاسن کلام

انداز بیان۔ آسی ایک نئے انداز و بیان کے موجد ہیں، الفاظ تھوڑے لیکن معانی بہت زیادہ غرض اشعار کیا ہیں کوزہ میں دریا کو بند کر رکھا ہے۔

درد دل لطف زندگانی ہے — غم سبب عیش جاودانی کا

اشکوں نے تا بہ گلو اک دہ چکر باندھا — حلقۂ جیب مرا حلقۂ گرداب ہوا

تلمیحات۔ آنیوالی نسلین ہمیشہ اپنے اصحاب سلف کی یاد مین مصروف رہتی ہین۔ رفتگان ماضی کے کارنامے، اونکی خصوصیات، اونکی طرز عمل کچھ ایسے نہین کہ کوئی آسانی سے بھلا دے۔ علم تاریخ ان یادون کو تازہ کرنے کیلئے مخصوص کردی گئی ہے لیکن دوسرے علوم بھی ان سے خالی نہین۔ تاریخ اگر سکندر اور حضرت عمر ایسے جلیل القدر شہنشاہون کی یاد مین رطب اللسان ہے تو علم شاعری حضرت موسیٰ، جناب قیس، فرہاد ایسے عشاق کے کارنامون سے پُر ہے۔

بقول شاعر تلمیحات شاعری مین ایک قسم کا نمک پیدا کردیتی ہین۔ رہبران منزل عشق کے کارنامے دل مین ہیجان پیدا کرتے ہین۔ اور ہمارے قدم نمونہ کو سامنے رکھے ہوئے نہایت سرعت سے منزل مقصود کی جانب بڑھتے ہین۔

اساتذہ نے تلمیحات کی تین قسمین کی ہین۔

(۱) وہ جنکا تعلق مذہبی عقائد اور قصص کے ساتھ ہے۔

(۲) وہ جنکا تعلق تاریخ کے ساتھ ہے یا کسی خاص رسم و رواج سے متعلق ہے۔

(۳) وہ جو بطور قصہ زبان زد خلائق ہین لیکن حقیقت مین جنکا کوئی وجود نہین۔

آخر الذکر اُردو کلام مین بہت کم پائی جاتی ہے، مثنوی گلزار نسیم اور مثنوی میر حسن اون کی مثال ہین اوّل اور دوم کا اُردو و نیز فارسی مین خاص رواج ہے۔ صنعت تلمیح کی بابت ہم نے مقدمہ دیوان ناصر علی مین مفصل بحث کی ہے لیکن یہان اس قدر بتا دینا ضروری ہے کہ صنعت تلمیح کا استعمال نہایت مشکل ہے، بڑے بڑے اساتذہ اس مین لغزش کہا گئے ہین تلمیح طلب واقعات نہ اس طرح بیان ہونے چاہین کہ شعر ایک خاصہ تاریخی واقعہ ہو جائے اور نہ ایسا ہو کہ معمہ کی صورت اختیار کرلے۔ اشارہ نہایت نازک ہو، ذکر بہت ایعازی ہو،

غالب کو تلمیحات کے استعمال مین کمال ہے۔

ہمنے مجنون پہ لڑکپن مین اسد سنگ اُوٹھایا تھا کہ سر یاد آیا ؛

حضرت آسی بھی تلمیحات کے استعمال مین خاص ملکہ رکھتے ہین۔

۱ جو نہ اوٹھے آسمانون سے اوٹھالین ہم وہ بوجھ
کیا وہ قوت سیر مین تھی کیا زور وہ گردن مین تھا

۲ عشق مین اسے کوہکن کیا زخم سر درکار تھا
زخم دل درکار تھا زخم جگر درکار تھا

۳ ہائے وہ جلوہ وہ انداز ہجوم اہل دید
ایک موسی زار گویا دل کے ہر روزن میں تھا

موسیقی۔ شاعری اور موسیقی میں ایک خاص مناسبت ہے بعض مغربی اہل نظر تو یہاں تک کہتے ہیں کہ شاعری اور موسیقی مرادف الفاظ ہیں اور شاعری بغیر موسیقی اور موسیقی بغیر شاعری بے معنی شے ہے۔ فانی موسم بہار کی تصویر یوں کھینچتا ہے:

"نرمک نرمک نسیم زیر گلان می خزد غب غب این می کند رعارض ان می گزد گھ بچمن می چمد گھ بچمن می وزد۔ گاہ بشاخ درخت گھ بہ لب جوئبار"

غالب کو بھی کمال ہے ؎

رات کے وقت مئے پیئے ساتھ رقیب کو لئے
آئے وہ یاں خدا کرے پر نہ کرے خدا کہ یوں

ناصر علی ؎

دیدن و نہ خود رفتن طرز آشنائیہا ست
پیش آن صنم بودن عالم جدائیہا ست

آسی کے اشعار کسی اور ہی قسم کی موسیقی پیش کرتے ہیں۔ بقول ٹیگور

زنجیر شعر کے ہر حلقے اپنے نازک ہاتھون کو ایک دوسرے کی گردنون مین ڈالے ہوئے مست جھومتے ہین۔ الفاظ رقصان ہین۔ جملے جھومتے ہین شعر سنئے تو معلوم ہوتا ہے کہ مغنی قدرت ان الفاظ کے پردے مین آتی کی زبان سے کوئی خاص پیغام بھیج رہا ہے

غمزدے ہین جسمین حسن کے عشق ہے اوس نگار کا
چوٹ ہے جسمین عشق کی حسن ہے سیر یار کا

خبر ہے محشر مین بھیڑ کی ہے وہ حسن تو کا ہجوم ہوگا
وہ داغ ہوگا کسیکے دل کا جو چمکے کا آفتاب ہوکر

دل مبتلا ہے ترا ابھی گھر اسے رہنے دے کہ خراب ہے
کوئی مری طرح سے تجھے مگر نہ کہے کہ خانہ خراب ہے
اونھین کبر حسن کی نخوتین مجھے فیض عشق کی حیرتین
نہ کلام ہے نہ پیام ہے نہ سوال ہے نہ جواب ہے

فطرتی شاعری

بعض نے شاعری کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے

"شاعری فطرتی جذبات کے اظہار کا نام ہے"

وہ شخص جو اپنی طبیعت پر زور ڈالکر خیالات پیدا کرتا ہے وہ شاعر نہیں وہ تو ناظم ہے۔ شعر وہی جسے الہام الٰہی کا شبہ ہو۔

شعر اور سرّ غیب یقیناً بہ عین نہیں

روح القدس سے یا کرم کردگار ہے

مولینا آسی شاعر ہیں اور اصلی معنوں میں شاعر کون ہے جو ان اشعار کو انسانی دماغ کا نتیجہ بتا سکتا ہے۔

اضطراب کیفیت ناکامی دل آرزو
بے نیازی زہر اب تک اضطراب

نہ تاری کو شرم آئے نہ غفاری کو غیرت ہو
قیامت ہے یہ تیرا بندہ تیرے آگے سینہ تانے ہو

حضرت آسی اور تعلیم قرآن

جلال الدین رومیؒ کی مثنوی کو اگر یہ حق حاصل تھا کہ دنیائے اسلام اوسے قرآن کریم کا فارسی ترجمہ بتائے، تو دیوان آسی کلام الٰہی کا ایک اُردو ترجمہ کہلائے جانیکا اوسی طرح مستحق ہے۔ آج سے تیرہ سو برس پہلے فاران کی چوٹیون پر جو نغمہ اس ساز زندگی کے تارون مین بیدار موجود تھا آج وہی گوش آشنا نغمات سکندر پور کے کھنڈرون سے نیم خوابیدہ اُوٹھے ہین۔

ابتدائے اسلام سے اسوقت تک علماء کو ہمیشہ اس بات کا خیال رہا کہ اونکی تمام تصانیف مین کلام الٰہی کی تعلیم و تلقین کا اعادہ ہوتا رہے۔ قرآن مبین اون کے سارے علمی مشاغل کا مرکز رہا علم المعیشت ہو یا علم ہندسہ۔ یا علم النفس ہو یا فلسفہ غرض کوئی ایسا مضمون نہ تھا جسکی درس و تدریس مین وہ فرقان حمید کی تعلیم ملحوظ خاطر نہ رکھتے۔

ولقد ضربنا للناس فی ھذا القرآن من کل مثل لعلھم یتذکرون (قرآن حمید)

اور ہم نے لوگون کو سمجھانے کیلئے سبھی طرح کی مثالین (علوم) بیان کی ہین تاکہ یہ لوگ نصیحت پکڑین

اونکا خیال تھا اور صحیح خیال تھا کہ جس دن مسلمان قرآن پاک کی تعلیم سے بیخبر

ہوجائین گے اُسی دن اونکا زوال لازمی ہے یہی وہ خوف تھا جسکی باعث طلبا مکتب کے ابتدائی درجون سے لیکر تکمیل تک ہمیشہ ایسی ہی کتابین پڑھائے جاتے تھے جو اونھین قرآن کی تعلیم سے ہمیشہ واقف رکھے۔

نئے ممالک فتح ہوئے نئی تعلیم و مذہب سے سابقہ پڑا، مال پرستی نے اپنا سکہ جمایا اور مسلمان قرآن کی سیدھی سادھی تعلیم باسانی بھلا بیٹھے۔ خدا پرستی کی جگہ عیش پرستی ہونے لگی۔ عشق و محبت کی دلبستگیون نے شاعری کا مذاق پیدا کیا۔ لوازمات تعیش کے ساتھ سامان شاعری مین بھی ترقی ہوتی گئی شعر و شاعری کے انہماک نے جذبات مین لطافت پیدا کی محسوسات ذکی الحس ہونے لگے "آوازین رنگین معلوم ہونے لگین اور رنگ مین نغمہ پیدا ہونے لگا۔"

مصلحان قوم نے جو یہ حالت دیکھی تو اونکے کان کھڑے ہوئے۔ اصلاح کا اوس وقت خیال آیا جب قوم مین صلاحیت نابود ہو چکی تھی۔ مسلمان قرآن اور اوس کی تعلیم کو مدتون سے بھولے بیٹھے تھے نماز روزہ کی تعلیم دینے والے زاہد خشک کا لقب پا چکے تھے ایسی حالت مین پرانا طرز تعلیم بے سود تھا اسلئے نئے طریقۂ تلقین کی تلاش ہوئی۔

ہم بیان کر چکے ہین کہ شاعری نے زندگی کے مشاغل مین کافی دخل پالیا تھا

اور حواس تاثیر پذیر ہوچکے تھے بجز شاعری کوئی دوسرا ذریعہ جذبات کے
ابھارنے کا نہ تھا اس لئے مجبوراً ان نیک بندوں نے شاعری ہی کو تعلیم دین
کا ذریعہ بنایا۔ تعلیم اخلاق بھی ہے تو شاعری کے ذریعہ سے۔ اگر خدا اور رسول
کے احکام کی بھی تلقین ہے تو شاعری ہی کی زبان میں۔

اس وادی کے امام حکیم سنائی۔ خواجہ فریدالدین عطار اور جلال الدین
رومی ہیں۔ جلال الدین نے تو شاعری کا رنگ ہی بدل دیا۔ مرشد کامل
ہوگیا اور مے ناب کے عوض بادہ وحدت کا دور چلنے لگے شاعری
کی محبت آمیز زبان میں قرآن حکیم کے احکام کی تلقین ہونے لگی۔ جلال الدین
رومی سہ بہر این غرہ و رحمان ای پسر کل یوم ہو فی شان ای پسر
عطار اور رومی کی شاعری سے فارسی نظم کا ایک نیا دور شروع ہوتا ہے
مذکورہ بالا چھوٹی سی تمہید کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے اگر ہم اردو شاعری اور
ہندوستان کے مسلمانوں کی حالت پر غور کرتے ہیں۔ تو ہمیں کسقدر
عجیب و غریب مناسبت معلوم ہوتی ہے۔ جسطرح شاہان ایران و غزنی
کی خوشامد پسند طبیعتوں نے قصیدہ کو شاعری کی خاص صنف بنا
رکھی تھی اوسی طور پر ہندوستان کے بعض نواب [illegible] نے اپنی

بدمذاقی کی باعث شاعری کے مذاق کو اسدرجہ زکیک بنا رکھا تھا کہ
بداخلاقی اور لغویت میں وہ آپ اپنی مثال تھی سنتا ہے کے بعد ہندوستان
اور ہندوستان کے مسلمانوں کی حالت بہم اور اوس کے بدنصیب مسلمان
باشندوں کی سی ہوگی۔ نہ اسلام تھا اور نہ اسلام کی تعلیم۔ قرآن سامنے
تھا اور نہ قرآن کی تلقین۔ اور دہلی اور لکھنؤ کے بھانڈوں کے بدمذاق تمرانی
نوجوانوں کے اخلاق و عادات خراب کر چکے تھے۔ غالب کی شاعرانہ
خیالات اوسکے ذاتی خصائل کے بالکل منافی ہونے کی باعث دنیا
پر کوئی اچھا اثر پیدا نکر سکے۔ ذوق اور اوسکی ہمنواوں نے تو لوٹیا ڈبو دی
معشوق شاہد بازاری بنگیا۔ ناجائز اختلاط کا نام وصل رکھ دیا گیا۔
مولانا شبلی نے جو ایران کی مبتذل شاعری کا ذکر کیا ہے اوسے اگر ہندو
کی مذکورہ بالا حالات سے مطابق کیا جائے تو عجیب مشابہت کا انکشاف
ہوتا ہے (فرہنگ تہذیب)۔

"محبوب اکثر شاہد بازاری اور مبتذل ہوتا ہے وہ ہر ایک کو ہاتھ
آسکتا ہے سیکڑوں سے تعلق رکھتا ہے۔ آج اوس سے ہم کنار ہے
کل اوس سے ہم آغوش ہے۔ جب محفل میں جلوہ آرا ہوتا ہے تو

چارون طرف سے عشاق کا جمگھٹ ہوتا ہے۔ وہ کسی سے آنکھین لڑاتا ہے۔ کسی سے اشارے کنائے کرتا ہے۔ کسی کی طرف دیکھکر مسکرا اوٹھتا ہے۔ کسی کو فریب آمیز نگاہون سے جھوٹی محبت کا یقین دلاتا ہے، بناوٹ سے کبھی روٹھتا ہے اور کبھی ہنستا ہے کبھی بگڑتا ہے۔ عشاق ایک ایک ادا پر پیچھے جاتے ہین۔ ہر شخص سمجھتا ہے کہ اصلی التفات میری ہی طرف ہے۔ اور دون کو بناتا ہے اور دہوکہا دیتا ہے۔"

یہ تھی حالت ہماری شاعری کی جب آسی نے میدان شاعری مین قدم رکھا۔ اخلاق مبتذل ہو چکے۔ عادات خراب ہو گئے تھے۔ جذبات معدوم ہو چکے غرض شاعری اور ترانہ گوئی مین کوئی فرق امتیازی نہ تھا۔ جیسا ہم عرض کر چکے ہین آسی نے شاعری مین بھی تلقین قرآن اور تعلیم اخلاق کو مدنظر رکھا کوئی ایسی غزل نہین جسکے چند اشعار تلمیحات قرآنی سے مزین نہ ہون۔ کہین فرقان حمید کی آیات پاک کا شاعری کے پیرایہ مین ترجمہ ہے اور کسی جگہ آیات بینہ کی جانب نازک اشارے ہین۔ غرض دیوان آسی کا ہیکو ہے ع

ہست قرآن بہ زبان اُردو

حسب ذیل اشعار کلام اللہ کی آیات کا بالکل ترجمہ کہے جا سکتے ہیں،
اور احادیث شریف کی تفسیر

نہ جانا کچھ طراز گنج اسرار　　امانت دار تھا جاہل ہمارا

بڑھ کی شہ رگ سے گلے ملنے کو وہ آماد تھا　　ہائے اسے وہم غلط کتنا مین افتادہ تھا

اس شعر مین آیتہ مبارکہ "نحن اقرب من حبل الورید" کی جانب اشارہ ہے۔

اتنا تو جانتے ہین کہ عاشق فنا ہوا　　اور اوس سے آگے بڑھ کی خدا جانے کیا ہوا

اس شعر مین آیتہ مبارکہ "ولا تقولوا من یقتل فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء ولکن لا تشعرون" کی جانب اشارہ ہے

بس تمہاری طرف سے جو کچھ ہو　　مری سعی اور مری ہمت کیا

اس شعر مین حدیث شریف "السعی منی والتمام من اللہ تعالی" کی جانب اشارہ ہے

کل یوم ہو فی شان کی نیرنگی دیکھ　　بیٹھے بیٹھے نظر آتا ہے تماشا دلمین

واعظو کیسا بتون کا گھورنا　　کچھ خبر ہے ثم وجہ اللہ کی

اس شعر مین آیتہ مبارکہ "فاینما تولوا فثم وجہ اللہ" کی جانب اشارہ ہے۔

کس کی حسرت نے جگایا تھا ہمیں نیند سوئے قبر میں نوشاہ کی

اس شعر میں ضم کو ضمائر العروس کی جانب اشارہ ہے۔

حسب ذیل اشعار میں کلام پاک کی آیات مبارکہ کی جانب لطیف اور نازک اشارے ہیں

عرش پر کہئے تو اثبات مکان ہوتا ہے کیا فلک بھی میرے سینے کے برابر ہوتا

ہاں بار امانت ہے ظلوم اور جہول اور کیا اس سے زیادہ مجھ پر سوا کرتے

مندرجہ ذیل اشعار میں احادیث نبوی کی جانب کنایہ ہے۔

بجز مومن کے یہ معنی تھے کہ تا قید حیات
پانوں زنجیر میں دل زلف گرہ گیر میں تھا

جن میں جو چاہا نہ کچھ تمہارا ہو ایسے احباب ایسی صحبت کیا

ملنے والوں سے راہ پیدا کر اور کسی ملنے کی اور صورت کیا

گوشہ گیری حدیث نفس کیساتھ دل ہی مجمع مین ہے تو خلوت کیا

ممکن نہین کہ شاہد وحدت ہو جلوہ گر جب آنکھون پر ہو پردہ انکار

مصطفیٰ

کسی سائل کو کیا پھیرے جو خود دن رات سائل ہو
لگا یہ دل مین آکر شعلہ تقریر پانی کا

فلسفۂ تصوف

"مذہب کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ کسی خاص کیفیت روحانی کے ساتھ اس کا تعلق نہین ہے" انسان کے تمامی کیفیات خواہ وہ روحانی ہون یا دماغی دائرہ مذہب مین داخل ہین۔ مذہبی احساس انسان کا فطرتی فرض ہے۔ فطرت انسانی اوسکا مرکز ہے اور فطرت انسانی کے قوی اوسکے گرد بطور دائرہ ہین"

یہی وہ نکتہ خیال ہے جس پر ایمان لانے والی ہر مذہب و ملت مین حق کی جلوہ آرائیون کا مشاہدہ کرتے ہین۔ انسان تھوڑی دیر بھی دنیا کے تمام مذاہب کو اس زاویہ نظر سے دیکھے تو اوسے اپنی کم بینی کی حقیقت

معلوم ہو جائے گی۔

ہر مذہب اور ہر ملت کی تاریخی زندگی مین ایک زمانہ ایسا ضرور آتا ہے جب اوسکی ایک معتد بہ جماعت اپنے مذہب کی سخت گیری اور درستیون سے تنگ آکر وسعت نظر کی متلاشی ہوتی ہے مذہب کی ظاہری ضوابط و قواعد کی حرف بحرف پابندیان مذہب کی زندگی مین بالآخر وہ زمانہ پیدا کر دیتی ہین جب انسان کی روحانی آزادی اون سختیون کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتی ہے۔ الفاظ و معانی کی جنگ شروع ہوتی ہے۔ ظاہر و باطن کے جھگڑے اوٹھتے ہین اور اور بالآخر حقیقی اور مجازی دو مدرسۂ خیال قائم ہو جاتے ہین۔ یہی وہ مذہبی حقیقت نگر ہین جنھون نے صوفی۔ ہسٹک تھاسوفسٹ اور یوگی کے ایسے گرانقدر القاب حاصل کئے ہین۔

تصوف یا مسٹزم ایسے مقدس اصول ہین جو قدیم سے امم سابقہ اور اقوام مختلفہ کے روحانی جولانگاہ بنے رہے۔ ہر مذہب اور ہر ملت مین چند لوگ بحیثیت مجموعی روحانی ترقی مین مصروف رہے جنھون نے دنیا و مافیہا سے علحدگی اختیار کی اور لذات سے اجتناب کیا۔ یونان

مین حکماے اشراقین روحانیت کا بدتون سبق دیتے رہے۔ یورپ
مین رچرڈ سینٹ، ڈکٹر ٹالر اور رہسور روحانی تعلیم و تلقین مین مصروف رہے
ہندوستان مین کرشن جی اور مہاتما بدھ ایسے رشیون کی حقیقی تعلیم صدیون
تک اپنا اثر پھیلاتی رہی۔ اس روحانی جولانگاہ مین عرب و عجم کے مسلمان
صوفیون کے کارنامے بھی کسی سے کم نہین۔

تصوف اور مذہب مین جو تعلق ہے اوس کے باعث مختلف مذاہب
مین تصوف کے اصولون مین بھی آپس مین فرق ہین۔ لیکن یہ اختلافات
زیادہ تر جزویات پر شامل ہین۔ ہر مذہب مین تذکیہ نفس کی تائید کی گئی
ہے لیکن ہر مذہب نے مختلف طریقے بتائے ہین۔ صبر و رضا کی تعلیم ہر ملت
مین ہے لیکن طریقہ تعلیم مختلف ہین۔

عیسائی نکتہ خیال سے "تصوف علم مذہب کی وہ شاخ ہے جس کی
تعلیم ہمین خواہشات نفسانی سے پرہیز بتاتی ہے۔ نفس کشی وہ زینہ
ہے جو ہمین خدا تک پہونچاتا ہے"

عیسائی مذہب مین روحانی تعلیم کا اصل اصول نفس کشی اور غمخواری
ہے۔ لیکن یہ نفس کشی رہبانیت اور ہلاکت تک پہونچگئی تھی اور شاید یہی وجہ

ہے کہ اسلام نے اس قسم کی رہبانیت کو ناجائز قرار دیا۔

ہندوؤں میں بت پرستی کے رواج نے تصوف کا تخیل ہی کچھ اور بدل دیا۔ ہندوستان کا فلسفۂ روحانی بت سے کوئی تعلق نہیں رکھتا جس اصول پر اون کے مذہب کا دار و مدار ہے وہ طاقت ہے۔ آفتاب کی پرستش وہ اسواسطے کرتے ہیں کہ وہ اُن کی زندگی میں بت کا آہنگ رعد و برق کو وہ اسلیئے پوجتے ہیں کہ اوس سے خوف کا اندیشہ ہے۔ آگ کو وہ اس لئے سجدہ کرتے ہیں کہ اوس میں خاک سیاہ کر دینے کی طاقت ہے۔ یوگی اون کے نزدیک وہی شخص ہے جس سے خرق عادت واقعات ظہور میں آتے ہیں۔ (کھانا صفحہ ۲۳۷)

یونان کا نکتہ خیال روحانیت کی بابت کچھ اور ہی تھا۔

"خدا مبداء کائنات ہے۔ دنیا آئینہ خانہ ہے جس میں حسن حقیقی پرتو افگن ہے۔ انسان تذکیہ نفس کے ذریعہ خدا کی ذات میں مدغم ہو سکتا ہے"

اسلام کی فلسفۂ روحانی کی تاریخ نویں صدی عیسوی سے شروع ہوتی ہے۔ یوں تو رسالت مآب صلعم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں روحانیت زبانی اور روحانی طور پر بدرجہ اتم موجود تھی مگر اس زمانہ

مین کوئی گروہ خاص اس لقب سے مشہور نہ تھا۔ البتہ بعض عابد و زاہد عہد رسالت
مین اس قسم کے تھے جو بیشتر اوقات ذکر و فکر مین مشغول رہتے تھے اور غزوات
مین حاضر ہونے سے بوجہ ضعف و طبعی ناتوانی معاف رکھے جاتے تھے
اور انھین لوگون کو "ارباب صفہ" کہتے ہین۔

بعض علمائے اسلام کا خیال ہے کہ دوسری صدی سے ضرورت زمانہ
نے اہل اسلام کو تدوین علوم اسلام پر مائل کیا۔ اوس دم اونھون نے علم
احسان کا نام اپنی اصطلاح مین تصوف رکھا۔

ابن خلدون نے اپنے مقدمہ مین جہان علم تصوف سے بحث کی ہے وہان
امام قشیری سے لفظ تصوف کی نسبت یہ عبارت نقل کی ہے۔

لم یشتهر لهذا الاسم اشتقاق من جهت العربیة والاقیاس
والظاهر انه لقب ومن قال اشتقاقه من الصفا او من الصفة
فبعید من جهت القیاس اللغوی قال ولذلک من الصوف لانهم
لبسوا لبسه

ماہرین لغت کا اسپر اتفاق ہے کہ یہ اسم (تصوف) لغت عربیہ
سے ماخوذ نہین کیا گیا ہے۔ بظاہر یہ ایک لقب ہے جس کو بعض نے

لفظ صفا، اور بعض نے لفظ صفت، سے مشتق قرار دیا ہے لیکن یہ ساری قیاسات علم لغت کے اعتبار سے بعید ہیں اسی طرح یہ قول کہ تصوف لفظ صوف، سے (جو ایک قسم کا پشمینی کپڑا ہے) ماخوذ کیا گیا ہے صحیح نہیں ہے، کیونکہ جماعت صوفیہ نے کبھی خود کو اس لباس کے ساتھ مختص نہیں کیا۔ اس کے بعد ابن خلدون نے قول اخیر کو تعلیماً ایک ضعیف تاویل کیساتھ تسلیم کیا ہے مگر از روئے تحقیق یہ سب تاویلیں وجود لاطائل ہیں۔

رینلڈ نکلسن نے اپنی مشہور تصنیف "صوفیائے اسلام" میں اس لفظ کی باعتبار لغت بہترین تحقیق کی ہے۔

"تین صدی سے قبل تصوف نے باضابطہ علم یا شاخ علم کی صورت نہیں اختیار کی تھی، علم روحانی کے شائقین اپنی عبادت و ریاضت میں مصروف رہتے تھے اور ایک خاموش، عاقلانہ اور پرہیزگارانہ زندگی بسر کرتے تھے حکمائے اشراقین کے اصول جب اونکے تعلیم روحانی میں دخل پانے لگے تو یونانی لفظ σοφος (سوفوس) بمعنی محب عقل بطور لقب استعمال ہونے لگا"۔

سب سے پہلے صوفی کا لقب جس شخص کے نام کیساتھ بولا گیا ہے وہ

ابو ہاشم صوفی ہے جس نے ۱۵۰ھ میں وفات پائی۔ اسی زمانہ سے کتب زہد و رقاق کی تالیف و تصنیف شروع ہوئی۔ مقامات ذکر و فکر۔ ذوق و شوق۔ صبر و رضا۔ قبض و بسط۔ فقر و توکل شکر و محبت اور خوف و رجا وغیرہ کی تفصیل و توضیح ہونے لگی۔ جدید اصطلاحیں ایجاد ہوئیں۔ جوں جوں قانون قدرت کے مطابق زمانہ کی حالتیں بدلتی گئیں اور عام مذاق و طبایع میں تفاوت ہوتا گیا اسی قدر متاخرین کے طرز تحریر و طریقہ استدلال میں تبدیلی واقع ہوتی گئی۔

تصوف کی نشو و نما۔ تصوف، یا مسلمانوں کے روحانی فلسفہ کے بیان کیلئے کسی شجرہ کے تعارف کی ضرورت نہیں۔ تصوف وہ علم ہے جو ہمارے روحانی جذبات میں لطافت پیدا کرتا ہے۔ "تصوف" بقول علامہ حسن "آزادی۔ ہمت صبر و رضا کے مجموعی کیفیت کا نام ہے۔ دوسرے الفاظ میں "خدا تجھے تیرے لئے فنا کر دیتا ہے اور اپنے لئے تجھے زندگی جاوداں بخشتا ہے"۔

رینلڈ نے تصوف کی تعریف نہایت جامع الفاظ میں کی ہے

"تصوف تربیت روحانی کا نام ہے"

اس تھوڑی سی تمہید کے بعد جس میں ہم نے تصوف کا ناظرین سے تعارف

کرایا ہے ہم بہتر سمجھتے ہین کہ ہم تصوف یا فلسفۂ روحانیات کے نشو و نما کی تاریخ بھی تھوڑی سی ناظرین کے سامنے پیش کردین۔

مذاہب مین اسلام کا نام سب سے بعد مین آتا ہے اس لئے اس کی روحانی تعلیم بھی سب مذاہب کے علم روحانیات سے بعد مین شروع ہوتی ہے۔

اصولاً اسلام کوئی نیا مذہب نہ تھا اور نہ اوسکی تعلیم و تلقین کسی غیر معمولی حکمتون پر مبنی تھین، آدم علیہ السلام سے رسول کریم صلعم تک تمامی انبیا و پیغمبر وہی وحدت اور رسالت کی تلقین فرماتے رہے انبیاء علیہم السلام مین حضرت عیسٰی علی نبینا فلسفۂ روحانیات کے امام سمجھے جاتے ہین اور یہی وجہ ہے کہ ابتداءً عیسائیت کی تعلیم محض روحانیات پر مبنی تھی۔

اسلام کی سیدھی سادھی تعلیم نے روحانیت اور مادیت کی بابت کوئی خاص احکامات نہین جاری کئے، دین عین دنیا اور دنیا عین دین۔ خدا کی عبادت تعلیم روحانی کا اوسی درجہ جزو قرار دی گئی جس طرح ازدواج و امور خانہ داری۔

لیکن جیسا ہم عرض کر چکے ہین ہر آنے والی صدی ہجری اپنی گذشتہ

صدی سے ایسے لوگون کی تعداد مین اضافہ کرتی گئی جنھون نے مذہبی ظاہرداریون سے اپنی کو آزاد کرنا چاہا۔ یا جن کے شوق و جذبات ظاہری اصول کی قیود سے آزاد ہوکر فضائے روحانی مین پرواز کے خواستگار تھے۔ یا" بقول واگنر "ان خدا کے بندون کی خواہش تھی کہ اس دنیا مین اسمانی بادشاہت کا لطف اوٹھائین" غالباً یہی "وہ شوق بیحد" تھا جس نے اونہین نفس کشی اور برداشت مصائب پر خوشی سے طیار کردیا تھا۔

اسکندریہ اور یونان کی فتح کے بعد ارسطاطالیس اور افلاطون کے فلسفے مسلمانون مین رائج ہوے۔ مسلمانون کا شوق علم ظاہر تھا۔ کتابین جہان ڈالی گئین اور غالباً یونانی فلسفہ مین وہ نکات اور باریکیان نکالی گئین جو شاید افلاطون اور ارسطاطالیس کو بھی نہ سوجھتین۔ بالآخر بعد چند ترمیم و تنسیخ مسلمانون نے یونانیون کے فلسفہ کو اپنے مذہبی اصول کے مطابق بنا کر اپنا کرلیا۔

اسلام مردہ ہوچکا تھا لیکن مسلمانون کا شوق علم اوس وقت بھی باقی تھا جب اونہون نے ہندوستان مین قدم رکھا۔ ہندوون کا فلسفہ مشہور اور خصوصاً غور و فکر مین وہ آپ اپنی نظیر تھے۔ جہان تک اسلام اجازت دیتا تھا وہان تک مسلمانون نے ہندو فلسفہ کے سیکھنے مین بھی دریغ نہین کیا

بغرض اختصار ذیل مین ہم تصوف کی نشوونما کی تفصیل سلسلہ وار درج کرتے ہین

۱۔ اسلام مین روحانی تعلیم

تصوف کا تخم خود اسلام کی روحانی تعلیم مین موجود تھا۔ کوئی تخم کسی کھیت مین کاشت نہین کیا جا سکتا جب تک کہ خود اوس کھیت مین اوس تخم کے نشوونما کی طاقت موجود نہو۔ اسلام مین ضرور تصوف کے نشوونما کی صلاحیت تھی اور یہی باعث ہے کہ چند صدیون مین سچے اور وفادار پرستار بھی بادہ تصوف کے سرشار نظر آنے لگے۔ داگن اپنی مشہور تصنیف "صوفیون کے ساتھ چند گھنٹے" مین تصوف کی تاریخ پر اجمالی نظر ڈالتے ہوئے لکھتا ہے

"تمام مہذب مذاہب مین رسول عربی صلعم کا مذہب تصوف کا سب سے بڑا دشمن ہے لیکن کسی مذہب مین تصوف نے وہ ترقی حاصل نہین کی جو اوسے اسلام کی آغوش مین نصیب ہوئی۔"

ہم پروفیسر داگن کی اس تہمت کا جواب صرف اس قدر دینا چاہتے ہین کہ بیشک اسلام اوس تصوف کا دشمن ہے جسکا نام رہبانیت ہے اور جو عیسائیت کا نصب العین ہے۔ اس مین شک نہین کہ اسلام نے محض روحانیت اور روحانی تعلیم کو مذہب نہین قرار دیا لیکن اس کے

یہ معنی نہین کہ وہ تصوف یا روحانیت کا دشمن ہے۔

۲۔ یونانیون کا فلسفہ۔ اسلامی تصوف کی عمارت کا دوسرا معمار فلسفۂ یونان تھا۔ یونانیون کے فلسفہ نے اسلام مین کس طرح رواج پایا اس کا ذکر ہم گذشتہ صفحون مین کر چکے ہین۔ یہان ہمین صرف یہ بتانا ہے کہ یونانیون کے وہ کون سے فلسفی اصول تھے جنھون نے مسلمانون کے علم روحانیات مین دخل پایا۔ جسٹینین کے دوران سلطنت مین شیخ الیونان کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ فلسفۂ الٰہیات و فلسفۂ روحانیات کی تعلیم شہر ایتھنز کی چہار دیواریون کے اندر نہ دین۔ بیچارہ فلاطینس مع اپنے چند ساتھیون کے شہر بدر کیا گیا۔ مدتون کے سفر و سفر کے بعد نوشیروان شاہنشاہ ایران کے دامن عاطفت مین اوس نے پناہ لی۔ نوشیروان کے انتقال کے بعد بھی وہ اپنے شاگرد مدت مدید تک روحانیات کی تعلیم و تلقین مین مصروف رہے یہان تک کہ آٹھوین صدی کے وسط مین ایرانیون کے دماغ اون کی تعلیم سے کافی درجہ متاثر ہو چکے تھے۔ اسلام کا قدم جس وقت ایران مین پہونچا اوسدم ہر چہار طرف یونانیون کا فلسفہ رائج تھا۔

فلسفہ یونان کے حسب ذیل اصول اسلامی تصوف پر اپنا اثر ڈال سکے

الف۔ سچائی یا حق اس میں شامل نہیں ہے۔ کہ ہم کسی شے کی ظاہری صورت کو اوس شے کے مفہوم سے مطابق پائیں، بلکہ راستی اوس حالت کا نام ہے جسے ہم اپنے دماغ اور اوس کی وقتی کیفیت کے تطابق کے بعد بطور نتیجہ اخذ کرتے ہیں۔ صرف مثل ہی مثل کو پسند کر سکتا ہے، انسان تمامی محاسن کا خود مظہر ہے

ب۔ جس وقت روح میں لطافت آجاتی ہے اوسی دم اوسے بقا حاصل ہو جاتی ہے۔ انسان کی جسامت روحانیت میں تبدیل ہو جاتی ہے اور عابد و معبود میں کوئی فرق نہیں رہجاتا۔

ج۔ واقعات کی مشق عارف کے تخیلات میں لطافت پیدا کرتی ہے مراقب جن جن کیفیات کا مشاہدہ کرتا ہے وہ خود اوس کی ذات میں مضمر ہوتے ہیں۔

د۔ عرفان حقیقت عقل سے نہیں حاصل ہو سکتا۔ عقل کی قوت محض اشیاء پر منحصر ہے لیکن خدا کی ذات شے سے کہیں بالاتر ہے۔

ر۔ دنیا آئینہ خانہ ہے جس میں حسن ازلی عکس فگن ہے یہی وہ عکس ہے جسے ہماری چشم کم بین دنیا سے تعبیر کرتی ہے۔

س۔ دنیا کی ہر شے میں خدا کا جلوہ نما ہے۔ بوجہ نہ مخفی ہو سکتا

چشم حقیقت نگر مین مظاہر کی کوئی وقعت نہین اسلئے خدا ہر چیز ہے اور ہر چیز مین خدا ہے۔

یہ تھی فلاطینس اور اوس کی ہمنواؤن کے اصول چیزاون کی روحانی تعلیم کا دارومدار تھا۔ مذکورہ بالا اصول اور تصوف مین کیا مناسبت ہے اوس کا اندازہ ہم ناظرین پر چھوڑتے ہین۔

۴۔ عیسائیت اور اوس کی راہبون کی مذہبی تعلیم۔ عیسائیت سے زیادہ کسی مذہب کی تعلیم کا انحصار۔ روحانیت پر نہین ہے۔ بقول دلائی "مذہب کی روحانی شاخ کا نام تصوف ہے"

اسلامی تصوف کی بنیاد مین تیسری اینٹ عیسائیون کی روحانی تعلیم نے رکھی۔ خلفاے بنو عباس کے دوران خلافت مین فتوحات کا دائرہ جب وسیع ہوا تو عمالون کو یہ سخت تاکید کی گئی کہ ہر مذاہب کی کتابین جمع کرکے دربار خلافت مین بھیجی جائین۔ کتابون کے ساتھ ساتھ اون مذہبی کتابون کے معلمین کی بھی ضرورت پڑی۔ تواریخ شاہد ہے کہ ہارون و مامون کے دوران خلافت مین تمام مذاہب کے علماء کا اجتماع دربار خلافت مین ہا کرتا تھا۔ اسی کہنے کی ضرورت نہین کہ عیسائیت ذاتی طور پر اسلامی

خیالات میں کیا دخل پایا۔

ہم ذیل میں عیسائیت کے چند فلسفہ روحانیات کے اصول درج کرتے ہیں۔ نظر غائر سے دیکھنے کے بعد ناظرین اس کا اندازہ کر سکتے ہیں کہ اسلامی تصوف کہاں تک عیسائی فلسفہ روحانیات کا ممنون احسان ہے۔ لیکن قبل ازیں ہم یہ بیان کر دینا بہتر سمجھتے ہیں کہ عیسائیت باوجود دعویٰ روحانیت پیدا کرنے سے قاصر رہی کیونکہ کافی طور پر تمامی نظریات تصوف پر عبور نہ ہوئی یہی وجہ ہے کہ ہمیں ہر اصول تصوف کیلئے مختلف ملفوظات وسوانح کا مطالعہ کرنا پڑا۔

الف۔ ڈاکٹر بی ٹالر (جرمن فلاسفر) نظریہ ترک لذات کا بہت بڑا کشاف ہے اوس کا خیال ہے کہ نفس پروری اور خدا رسی میں بُعد المشرقین ہے ایک کے ہوتے ہوئے دوسرے کا حصول من قبیل محالات ہے۔

ب۔ ٹامس مفرر عیسائی مذہب میں اپنے وقت کا سب سے بڑا صوفی کہا جا سکتا ہے اوس کا قول تھا کہ انجیل محض ایک کتاب ہے اور بحیثیت کتاب اوس کی روحانی تعلیم کے سامنے ہمارا سر تسلیم خم کر دینا غلامانہ اور کورانہ پیروی کی علامت ہے۔ اوس کا خیال ہے کہ ہر شخص کا ضمیر

ایمانی خود اوس کا رہبر ہے۔ ایک صاف باطن کے کان ہر وقت اوس آواز پر لگے رہتے ہین جس کے ذریعہ سے خدا اپنے احکامات بندون کو پہنچاتا ہے اوس کی آنکھین ہر دم اوس جلوہ کے مشاہدہ مین مشغول رہتی ہین جن کا تعلق خاص ذات باری سے ہے"

ج۔ نیکی و بدی کی تخلیق کا جہان تک تعلق ہے بہمن کا نظریہ بہت کچھ اسلامی اصول سے مشابہ ہے۔ اوس کا قول ہے۔

"دنیا مین ہر چیز اپنے متضاد سے پہچانی جاتی ہے۔ بغیر بدی۔ نیکی کی تمیز مشکلات سے تھی۔ خدا نے کسی چیز کو بدی کی غرض سے پیدا نہین کیا۔ ہر شے مین بدی اور خوبی شامل ہے کسی ایک کی زیادتی اوس کے استعمال کی بابت نسبتاً فیصلہ کرتی ہے" (بہمن)

د۔ سینٹ تھیرسٹالم رویا کی بہت بڑی حامی سمجھی جاتی ہے۔ اوس کی بابت مشہور ہے کہ وہ پھر دن مراقب رہا کرتی تھی اور زندگی کا زیادہ حصہ اوس نے غور فکر مین گذارا۔ اوس کا قول تھا کہ ہر عیسائی کا فرض ہے کہ وہ حضرت عیسیٰؑ کی شبیہ مبارک اپنے چشم خیال کے سامنے رکھے۔

ر۔ ہم اپنے گذشتہ صفحات مین اس کا ذکر کر چکے ہین کہ عیسائیت مین

روحانی تعلیم کا دارومدار نفس کشی پر ہے۔ چنانچہ اس مذہب کے تمام کلمہ ہمیشہ اسی کی تعلیم دیتے رہے۔ سینٹ جان خصوصیت کے ساتھ اس نظریہ کا محقق سمجھا جاتا ہے۔ اوس کی دعا تھی کہ "یا خدا میرے دن کا کوئی حصہ ایسا نہ گذرے جو تکلیف اور مصائب سے خالی ہو" وہ اپنے ہم مشرب کاہنوں سے ہمیشہ کہا کرتا تھا۔

"تکلیفیں برداشت کرو تاکہ تمھیں لوگ دانا سمجھیں تنگی بسر کرو تاکہ لوگ تمھیں حقیر سمجھیں۔ اور اس طرح تم دنیا اور اوس کی کشمکش سے آزاد رہ سکتے ہو۔"

صوفیائے اسلام میں فرقہ ملامتہ کے بہت کچھ مسلک مذکورہ بالا اصول سے ملتے جلتے ہیں۔

س۔ ماسٹر اکرٹ کا خیال ہے کہ دنیا میں بہت کم ایسے ہیں جو خدا سے بے غرض محبت رکھتے ہوں۔ دنیا میں تین قسم کے لوگ ہیں (۱) زیادہ تر اون لوگوں کی ہے جو خدا سے اس لئے ڈرتے ہیں کہ وہ قہار ہے (۲) اس سے کم اون لوگوں کی تعداد ہے جو خدا سے محبت رکھتے ہیں اس لئے کہ وہ رزاق اور کریم ہے (۳) سب سے کم تعداد اون کی ہے جو خدا سے

ڈرتے اور محبت کرتے ہین لیکن اون کا سارا خوف یا محبت بے غرض اور بے لوث ہوتی ہے۔ صوفیائے کرام نے بھی بے لوث محبت کی تاکید کی ہے آسی

خوف دوزخ نہ حرص جنت کی
بے غرض مین نے تجھسے الفت کی

یہ تھی عیسائیت کی روحانی تعلیم جو نوین صدی عیسوی سے قبل دنیائے اسلام مین کافی رواج پا چکی تھی۔ ہم یہ نہین کہتے کہ اسلامی تصوف نے اپنے تمامی اصول یونانیون اور عیسائیون کے فلسفۂ روحانیات سے اخذ کئے ہین، مگر ہم یہ کہے بغیر بھی نہین رہ سکتے کہ اسلامی تصوف پر ان تمام روحانی تعلیمات کا معتدبہ اثر پڑا ہے۔

ہندوؤن کا فلسفہ اور بدھا کی روحانی تعلیم۔ یون تو ہندوستان کی روحانی تعلیم تاریخی حیثیت سے پرانی کہی جاتی ہے لیکن اسلامی تصوف پر اس کا اثر سب سے کم اور سب سے بعد مین پڑا۔ اولاً اس کی وجہ یہ تھی کہ ہندوستان مین اسلام کا قدم عرب و عجم کی فتوحات کے بعد آیا اور دوسرے رسول عربی کی تعلیم اور ہندوستانیون کی مذہبی تعلیم مین اسقدر تفاوت

تھا کہ ایک دوسرے کا اثر بمشکل اور بہت کم پڑا۔

ہندوؤں کی مقدس کتاب بھگوت گیتا میں روحانی تعلیم کے تمامی مراحل اور طریقے نہایت فصاحت سے درج ہیں۔

اسلام میں ابو علی سندھی پہلا شخص ہے جس نے ہندو فلاسفی پر کافی عبور حاصل کیا۔ "ہندوؤں کی روحانی تعلیم" بقول ابو علی "مسئلہ تناسخ اور خوف الٰہی پر منحصر ہے"۔

ہندوؤں کی روحانی تعلیم کے چند اصول ہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔

۱۔ الوہیت الکون:۔ ہر شے میں خدا ہے، اور خدا ہر شے میں۔

۲۔ انسان کی روح کثرت عبادت سے لطافت حاصل کر لیتی ہے یہاں تک کہ اوس سے خرق عادت واقعات سرزد ہونے لگتے ہیں۔

۳۔ انسان کا روحانی نصب العین یہ ہونا چاہیئے کہ وہ اپنی ذات کو ذات باری میں مدغم کر دے۔

۴۔ عارف کو ذات باری میں ایسی محویت چاہیئے کہ وہ اپنی ذات کو بھول جائے۔ اوس کی ساری حرکت و سکون خدا کے احکام کے مطابق ہوں اور اوس وقت وہ اپنی مراقبات میں جلوہ الٰہی کا مشاہدہ کر سکتا ہے۔ بدھا کی روحانی

تعلیم بہت کچھ ہندوؤں کی روحانی تعلیم سے ملتی جلتی ہے۔ بدھ کی تعلیم میں صرف ایک ممتاز کیفیت نروانا کی باعث پیدا ہوتی ہے۔ نروانا اور فنا کی تعلیم بالکل ایک ہے۔ دوسرے الفاظ میں نروانا کا اصول ہمیں اس بات کی تعلیم دیتا ہے کہ ہم اپنی شخصیت کو زائل کر دیں۔ اور اپنی خودی کو مٹا دیں اوس وقت ہمیں نجات ابدی حاصل ہو سکتی ہے۔

ہم نے دنیا کے قریب قریب تمام بڑے مذاہب کی روحانی تعلیم کا ایک خاکہ ناظرین کے سامنے کھینچ دیا ہے

اور اب ہم اپنے اصلی مطلب کی جانب رجوع ہوتے ہیں۔

اسلام میں روحانی تعلیم۔ علمائے اسلام کے نزدیک عبادت اون فرائض کی انجام دہی کا نام ہے جو ایک مخلوق پر بوجہ اپنی مخلوق ہونے کے خالق کی جانب سے عائد ہوتی ہیں۔

صوفیائے کرام نے اس میں ترقی کی۔ اون کے نزدیک ایک عارف کی عبادت اوس کے احساس فرائض کا نتیجہ نہیں ہوتی بلکہ وہ اوس کی ایک وجدانی کیفیت ہوتی ہے یا اوس کا غیر ارادی فعل ہوتا ہے

ایک صوفی جس کا معیار عبادت اس درجہ بلند ہو اوسکی عرفان ابدی

کے طریقے بھی جدا ہونگے اوس کے واسطے اصول ایمان بھی نئے اور انوکھے ہون گے۔

تصوف کا حسب ذیل اصول پر دار و مدار ہے۔

۱۔ وحدت الوجود۔ جسکا تعلق ذات باری سے

۲۔ وحدۃ فی الکثرۃ۔ "

۳۔ تزکیہ نفس۔ جسکا تعلق عارف سے ہے۔

۴۔ مراقبات و عالم رویا۔ یہ اون تعلقات پر شامل ہے جو مابین عابد و معبود قائم رہتے ہین۔ صوفیا کرام کے نزدیک تصوف مین دس منازل ہین۔ ایک سالک تمامی منازل طے کرنے کے بعد وصال باری حاصل کر سکتا ہے۔

۱۔ توبہ	۶۔ ملازمت ذکر
۲۔ زہد	۷۔ توجہ
۳۔ توکل	۸۔ صبر
۴۔ قناعت	۹۔ مراقبہ
۵۔ عزلت	۱۰۔ رضا

سالک قدم جون جون منزل مقصود کی جانب اوٹھتے جاتے ہین اوسی

طرح اوسپر مختلف کیفیات طاری ہوتی جاتی ہین - ان کیفیات کا نام اصطلاح تصوف مین حال ہین - یہ بھی دس ہین -

۱- غور و فکر	۶- شوق
۲- قرب باری	۷- اخلاص
۳- محبت	۸- سکون
۴- خوف	۹- تامل
۵- اُمید	۱۰- تیقن

یہ چند صفحے بطور تمہید تھی، مقصد میرا یہ تھا کہ مین اوس میدان تصوف کا ناظرین سے بخوبی تعارف کرا دون جسمین ہمارا رہبر و آسی گام زن ہے - ممکن ہے کہ ایک معترض اس طول طویل تمہید کو دیکھکر مجھے ایک متخذلق کہہ بیٹھے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ نہ تو میرا مطلب اظہار علمیت ہے اور نہ اعلان قابلیت - چونکہ آسی کی شاعری کا ایک زبردست رخ اون کی صوفیانہ شاعری ہے اس لئے مین نے ضروری سمجھا کہ عنوان مضمون مین ایک تمہید ایسی درج کیجائے جو تصوف کا اصلی رجحان مفہوم ناظرین کے سامنے پیش کرے - میرا ارادہ ہے

کہ میں (انشاء اللہ) آیندہ صفحات میں تصوف کی تمامی مراحل و لطائف کا ذکر مولانا آسی کی شاعری کے سلسلہ میں کروں۔ ان منازل اور لطائف کا ذکر بطور علیحدہ کرنا ایک طول عمل تھا۔ اس لیے میں نے بہتر سمجھا کہ جہاں میں مولانا آسی کی صوفیانہ شاعری کا ذکر کروں وہیں ان تمامی نکات کی بھی تشریح کرتا چلوں۔

مولینا آسی کی صوفیانہ شاعری

یوں تو فارسی اور اُردو شاعری کے تعلقات کی بنا پر اُردو شعراء کے کلام مصطلحات تصوف سے مالا مال ہیں لیکن تصوف اور اُس کی اصلی تعلیم کسی کے کلام میں بھی نمایاں نہیں۔ میر تقی دہلوی کا سارا کلام مصطلحات تصوف سے بھرا پڑا ہے لیکن کون کہہ سکتا ہے کہ میر صاحب کا اصلی مقصد تعلیم تصوف اور تلقین معرفت تھی۔

اُردو شاعری کی پرورش یا تو اون گودوں میں ہوئی جو بوجہ عقیدت مذہبی تصوف کی منکر تھیں یا وہ آغوش تھے جو بوجہ اپنی بے مذاقی تعلیم حقیقت سے ناآشنا تھے۔ میر۔ درد۔ آتش۔ ناسخ۔ غالب و ذوق کون ہے جس کا دیوان

عرفان نفس، لمعات الٰہی، حجاب خودی، ہمہ اوست وغیرہ وغیرہ ایسے اصطلاحات سے پاک ہے۔ لیکن یہ ساری مصطلحات کا استعمال صرف اس وجہ سے تھا کہ بغیر چاشنی تصوف جذبات کا اظہار ممکن نہ تھا۔

دوسری وجہ اون کے میدان مجاز کی تنگی تھی۔ عشق مجازی باوجود اپنی تمام ظاہری دلبستگیوں کے خیالات کیلئے وہ مواد نہیں اکٹھا کر سکتا جو عشق حقیقی کر سکتا ہے۔

بقول علامہ شبلی حقائق میں وہ کنز تھے جن کی ہر جانی عربی۔ فارسی۔ اور اردو کے صدہا شعرا نے کی لیکن آجتک اوس کی حد نہ ملی اور روز نئے نئے مضامین اختراع و ایجاد ہوتے ہی جاتے ہیں۔

اردو شاعری میں پہلا شخص جس نے صوفیانہ مذاق فی الحقیقت اختیار کیا وہ شاہ حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی تھے آپ کا مشہور شعر ہے ؎

اسے دیکھا اوسے دیکھا نہ یہ دیکھا نہ وہ دیکھا
نہ دیکھا ایک کو، دو چار کو دیکھا تو کیا دیکھا

دوسرا نام جو ہمارے پیش نظر ہے وہ شاہ نیاز احمد صاحب نیاز کا ہے حضرت امداد اللہ و حضرت نیاز دونوں اوس میدان میں گام زن تھے

جہان اظہار حقیقت کے لئے مجاز کی ضرورت نہین رہجاتی، لیکن باینہمہ حقائق اون کی شاعری فقدان مجاز کی باعث لطف شاعری سے محروم رہجاتی۔ بقول آسی ؎

اگر بیان حقیقت نہ ہو مجاز کے ساتھ
تو شعر لغو ہے آسی کلام ناکارہ

آسی نے صوفیانہ شاعری کو مکمل کردیا۔ حضرت نیاز و حضرت امداد (رحمت اللہ علیہم اجمعین) مین تصوف مالامال تھا لیکن شاعری نہ تھی، میر و غالب مین شاعری بھری پڑی تھی لیکن تصوف اور حقیقت کا فقدان تھا۔ آسی نے دونون کو مخروج کردیا اور یہی باعث ہے کہ آسی فضائے تخیل کی اون بلندیون لیکن عالیشان چوٹیون پر پہونچا ہوا ہے جو بام شاعری سے کہین اعلیٰ اور ارفع ہے۔ ہنگامہ ہستی اون بلند چوٹیون تک پہونچتے پہونچتے دبے پیر جاتے ہین۔ نغمۂ حیات اوس فضائے تخیل مین داخل ہوتے پہلے ہی لحن داودی بجاتا ہے۔ ہم تو یہ کہینگے کہ آسی میدان شاعری کے اوس حصہ مین گام زن ہے جہان سے کچھ ہی دور آگے سرنوت شروع ہوتا ہے" فرماتے ہین۔

شعر اور سر غیب یقیناً یہ نہین روح القدس ہے۔ یا کرم کردگار ہے

کون سے ایسے مسائل ہین جنکا حل دیوان آسی مین دستیاب نہین۔ کون سے اصول وحقائق ہین جنپر دیوان آسی روشنی افگن نہین بقول ڈاکٹر عبدالرحمن مرحوم کون سا ایسا نغمہ ہے جو اس ساز زندگی کے تارون پر بیدار اور خوابیدہ نہین۔

فی الحال ہمارا مبحث تصوف اور اوس کے نکات ہین۔

پچھلے صفحون مین ہم دعوی کر چکے ہین کہ مولینا آسی میدان تصوف مین جلال الدین وعطار کے ہم پایہ ہین اس لئے ہم مندرجہ ذیل چند سطرون مین اوس دعوی کا ثبوت دینا چاہتے ہین۔

آسی کے فلسفہ تصوف کی تحقیق کے لئے ضروری ہے کہ ہم اس مبحث کے پہلے تحلیل کرلین۔ اور اوس کے بعد اوس کے ہر تابع فصل کو علیحدہ علیحدہ وضاحت مین لائین۔

وحدت الوجود | بقول مولانا شبلی مسئلہ وحدت الوجود یا وہ تصوف کا نشہ ہے۔ ہم تو یہان تک کہنے کے لئے طیار ہین کہ مسئلہ وحدۃ الوجود کو جس کے ارد گرد تمامی دیگر مسائل تصوف بطور احاطہ ہین۔ دوسرے الفاظ مین یہ مسئلہ جسم تصوف کی جان ہے۔

اس مسئلہ کو اس قدر اہمیت دینے کے بعد ضرور ہوا کہ ہم بطور تمہید اس خیال کی مختصر سی تاریخ بھی ہدیہ ناظرین کردیں۔

ارباب تحقیق کا خیال ہے اور صحیح خیال ہے کہ اہل یونان اس خیال کے ماخذ ہیں۔ مولینا شبلی نے اس کی مخالفت کی ہے وہ شعر العجم جلد ۵ صفحہ ۱۴۳ میں فرماتے ہیں

"اس کا تاریخی ثبوت ملنا مشکل ہے۔ زیادہ شبہ اس وجہ سے ہوتا ہے کہ یونانی علوم و فنون کی توسیع و اشاعت کا جو زمانہ تھا یعنی پہلی دو تین صدیاں اوس وقت یہ خیال نہیں پیدا ہوا تھا"

مولینا شبلی کا یہ خیال صرف عدم واقفیت پر مبنی تھا مسئلہ وحدت الوجود کی ابتدا تصوف کا ایک مرکزی مسئلہ ہونے کی باعث تصوف کے آغاز کے ساتھ ساتھ شامل ہے۔ تصوف کے نشو و نما کی ساتھ ساتھ مسئلہ وحدۃ الوجود نے بھی نشو و نما پائی۔ یونان اور ہندوستان کی روحانی تعلیمات پر اگر تاریخی حیثیت سے نظر ڈالی جائے تو نظر غائر یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتی کہ یہ نغمات اگر ساز زندگی میں بیدار نہیں تو خوابیدہ ضرور تھے۔

[illegible] صفحوں میں یونانیوں اور ہندوستانیوں کے تمام وہ نظریات [illegible]

کر چکے ہین جنکا تعلق عرفان حق کے ساتھ تھا۔ مفصل بحث کیلئے طرہم ناظرین کی توجہ حسب ذیل کتابون کی طرف منعطف کرانا چاہتے ہین۔

۱۔ صوفیون کے ساتھ چند گھنٹے مصنفہ ار۔ اے۔ واگھن

۲۔ پرائر بک ، کلیمنٹ ساکن اسکندریہ

۳۔ جولس سائمن ، سائمن

۴۔ نکالس دان ہیون ، المین

۵۔ ہندو فلسفہ ، وارڈ

" علاوہ برین مسئلہ وحدۃ الوجود محض تصوف سے مخصوص نہین معتزلہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ غیلان دمشقی۔ واصل ابن عطا۔ عمر ابن عبید۔ مادہ اور روح اور خدا تینون کو ازلی اور ابدی خیال کرتے ہین۔ خود فلسفہ قدیم مین یہ ایک معرکتہ الارا مسئلہ خیال کیا جاتا ہے، فلسفہ کے جملہ مدارس دو فریق مین تقسیم ہین

۱۔ وحدت الوجود کے قائل کہتے ہین کہ تمام عالم مادی کو اگر تحلیل کیا جائے تو اثیر رہ جاتا ہے اور اثیر خود تحلیل ہوکر خیال اور خیال تحلیل ہوکر صرف مسبب الاسباب باقی رہجاتا ہے افعال کی نیکی و بدی محض تعلق مادی

کی وجہ سے نظر آتی ہے ورنہ جو شے ایک کے خیال میں نیک ہے وہی دوسرے کے خیال میں بد ہے بالذات نیکی اور بدی کا وجود نہیں۔ توحید کے قائل خدا کو خالق اور مادہ کو مخلوق قرار دیتے ہیں۔ خدا دنیا سے بے تعلق اور آزاد ہے"

"ثنویت کے پیرو نیکی و بدی کو اہرمن اور یزدان کو مثال ہمیشہ مصروف پیکار بتاتے ہیں۔ مادہ اور روح کو متحد الذات نہیں بلکہ مختلف الذات کہتے ہیں" (عبدالرحمان بجنوری)

ان چند الفاظ کے بعد غالباً اب اس قول کی گنجائش نہیں رہجاتی کہ مسئلہ وحدۃ الوجود محض اسلام کی تعلیم کا نتیجہ ہے۔

وحدت الوجود کی ابتدا اسمیں شک نہیں کہ "عشق حقیقی کے ابتدا سے ہوئی" ارباب عشق الٰہی جب نشہ محبت میں مست ہوتے تھے تو انکی آنکھوں میں بجز جلوۂ الٰہی کچھ نظر نہیں آتا۔ اس خیال نے جو پہلی صورت اختیار کی وہ یہ تھی۔

(۱) "خدا آفتاب کی مانند ہے جسکی روشنی کے سامنے انسان کی ہستی جو ستارہ کی مثل ہے اندھی پڑجاتی ہے" اس وحدت کو وحدت شہود

کہتے ہین۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اس وادی کے امام ہین
مولینا آسی نے اس مسئلہ کو نہایت خوبی سے ادا کیا ہے۔

تمہین کثرت سے نفرت اور مجھ ذوق وحدت ہو
کچھ اس سے اور بڑھ جاؤ تو کثرت ہو نہ وحدت ہو

مولینا آسی ابھی صرف وحدۃ شہود کی طرف اشارہ فرما رہے ہین۔ آسی
تسلیم کرتے ہین کہ یہ پہلا زینہ ہے اور اس سے آگے قدم بڑھانے کے بعد کثرت اور
واحدت کا امتیاز باقی نہین رہجاتا۔

آگے چلکر فرماتے ہین (ابھی تک دامن شہود ہاتھون مین ہے) شہود کا
یہ دوسرا رخ ہے ؎

وہ کیا ہے تیرا جس مین جلوہ نہین ہے
نہ دیکھے تجھے کوئی اندھا نہین ہے

جب ستارون کی روشنی ماند پڑگئی تو ظاہر ہے کہ بجز آفتاب کوئی چیز نظر نہین آسکتی

سب مین آتی ہے نظر کیفیت عالم مجھے
ہر حیات بحر کا ساغر ہے جام جم مجھے

(۳) لیکن مسئلہ شہود مدتون تک قائم نہ رہ سکا۔ رفتہ رفتہ یہ خیال وحدت الوجود

تک پہونچ گیا۔ اسکی تعلیم یہ تھی۔

کہ سوا خدا کوئی چیز سرے سے موجود ہی نہین۔ دوسرے الفاظ مین دنیا مین جو کچھ ہے سب خدا ہے یا یون کہئے کہ "جو کچھ ہے وہ ایک ذات ہے موجودات خارجیہ سب اوسی کے شئونات ہین"

یا وہ تصوف کی متوالے، شاعرون یا غیر شاعر سب کے باجون مین بھی ایک راگ مستور تھی شیخ محی الدین اکبرؒ اور غلام یحییٰؒ نے اوسپر مستقل رسالے لکھ ڈالے عطارؒ اور جلال الدینؒ نے صدہا نظمین کہہ ڈالین لیکن واہ رے عشق حقیقی اور واہ ری شوق محبت داستان غم ہے کہ ختم ہی نہین ہوتی۔ شوق بیان ہے کہ پورا ہی نہین ہوتا۔ سچ ہے۔

مزا ہران مین ہے شان نو کا
مگر جب دل نہ ہو غافل ہمارا

مولینا آسی کے ہاتھ مین بھی وہی بانسری ہے۔ گیت وہی ہے لیکن آواز مین فرق ہے۔ نہ سعدی اور عطار کی سی کرختگی ہے اور نہ خسرو سی قہری آواز ہے جو ہنگامہ ہستی مین مل کر غائب ہو جائے۔

آسی مسئلہ وحدت الوجود کے کئی رنگ لیتے ہین۔ وہ اوس مصنوعی کا تنہین

جو تصویر بناتے وقت اس بات کا خیال رکھتا ہے کہ ہر دیکھنے والا تصویر دیکھکر یہی سمجھے کہ وہ میری طرف نگران ہے۔ آسی کے مسائل واجد محمود کے مانند ادق اور مشکل نہین۔ غالب کی مانند آسی کا یہ خیال نہین ہے کہ دنیا اون کے کلام کے سمجھنے کیلئے اون تک پہونچے، وہ اوس مصلح قوم کی مانند ہین جو عوام کی خاطر اپنا معیار حقیقت کم کرتا ہے، دوسرے اوس تک نہین پہونچ سکتے۔ اس لئے وہ خود اون تک پہونچنے کی کوشش کرتا ہے۔

آسی نے اس مسئلہ کی پہلی تقسیم تو یون کی ہے۔

(۱) ماسوا حق کوئی ہستی نہین۔ اون کا وجود موہوم ہے۔

خرام جلوہ کی نقش قدم تھی لالہ و گل
کچھ اور اس سوا موسم بہار نہ تھا

لالہ و گل کا یہ دیوانہ تماشائی نہ تھا
باغ مین ہر پھول ترے حسن کا آئینہ تھا

فلسفۂ رسالت کے مسائل بھی ساتھ ساتھ حل ہوتے جاتے ہین۔

بلندی اوسکی اوسی کی پستی ہر ایک شے مین اوسی کی ہستی

تک پہونچ گیا۔ اسکی تعلیم یہ تھی۔

کہ سوا خدا کوئی چیز سرے سے موجود ہی نہین۔ دوسرے الفاظ مین دنیا میں جو کچھ ہے سب خدا ہے یا یون کہئے کہ "جو کچھ ہے وہ ایک ذات ہے موجودات خارجیہ سب اوسی کے شئونات ہین"

یا وہ تصوف کی متوالے، شاعرہون یا غیر شاعر سب کے باجون مین بھی ایک راگ مستور تھی شیخ محی الدین اکبرؒ اور غلام یحییٰؒ نے اوسپر مستقل رسالے لکھ ڈالے عطارؒ اور جلال الدینؒ نے صدہا نظمین کہہ ڈالین لیکن واہ رے عشق حقیقی اور واہ ری شوق محبت، داستان غم ہے کہ ختم ہی نہین ہوتی۔ شوق بیان ہے کہ پورا ہی نہین ہوتا۔ سچ ہے۔

مظاہر ان مین ہے شان تو کا
مگر جب دل نہ ہو غافل ہمارا

مولینا آسی کے ہاتھ مین بھی وہی بانسری ہے۔ گیت وہی ہے لیکن آواز مین فرق ہے۔ نہ سعدی اور عطار کی سی کہنگی ہے اور نہ خسرو سی دہیمی آواز ہے جو ہنگامہ ہستی مین مل کر غائب ہو جائے۔

آسی مسئلہ وحدت الوجود کے کئی رخ لئے ہین۔ وہ اوس معشوق کی مانند ہین

جو تصویر بناتے وقت اس بات کا خیال رکھتا ہے کہ ہر دیکھنے والا تصویر دیکھکر یہی سمجھے کہ وہ میری طرف نگران ہے۔ آسی کے مسائل واجد محمود کے مانند دقیق اور مشکل نہین۔ غالب کے مانند آسی کا یہ خیال نہین ہے کہ دنیا اون کے کلام کے سمجھنے کیلئے اون تک پہونچے، وہ اوس مصلح قوم کی مانند ہین جو عوام کی خاطر اپنا معیار حقیقت کم کرتا ہے، دوسرے اوس تک نہین پہونچ سکتے۔ اس لئے وہ خود اون تک پہونچنے کی کوشش کرتا ہے۔

آسی نے اس مسئلہ کی پہلی تقسیم تو یون کی ہے۔

(۱) ماسوا حق کوئی ہستی نہین۔ اون کا وجود موہوم ہے۔

خرام جلوہ کی نقش قدم تھی لالہ و گل
کچھ اور اس سوا موسم بہار نہ تھا

لالہ و گل کا یہ دیوانہ تماشائی نہ تھا
باغ مین ہر پھول ترے حسن کا آئینہ تھا

فلسفۂ رسالت کے مسائل بھی ساتھ ساتھ حل ہوتے جاتے ہین۔

بلندی اوسکی اوسی کی پستی ہر ایک شے مین اوسی کی ہستی

عروج اوس کا رسول ہو کر　　نزول اوسی کا کتاب ہو کر

آسی کا خیال ہے کہ جب دنیا مین سوا اوس کے اور کوئی ذات نہین تو پھر منصور کا قول انا الحق کیون غلط تسلیم کیا جائے

مین بھی باطل مری ہستی بھی سراسر باطل
یہ سوجھائے ہی انا الحق کی حقیقت مجھ کو

(۲) دوسرا رخ مسئلہ وحدۃ الوجود کا اثباتی ہے یعنی صرف خدا کی ہستی دنیا مین موجود ہی۔ اوسی کا وجود حقیقی ہے۔ فرماتے ہین۔

پوچھتے ہو کہ سر وحدت کیا　　ماسوا کی بھلا حقیقت کیا
کوئی تیرے سوا کہین ہی بھی　　بدگمانی کی مجھسے علت کیا

خدا فاعل کل ہے، وہی مختار ہی اور دنیا مجبور ہی۔ جو کچھ کرتا ہے وہی کرتا ہے انسان کی کچھ مجال نہین ہے

کیا خبر تھی کہ اونہین کہین کرشمے سارے
شکوہ غیر کی ہے اون سے ندامت مجھ کو

یہی وہ مقام عشق ہے جسے باقی باللہ کہتے ہین۔

اسی مضمون کو دوسرے پیرایہ مین لیکن کسقدر وضاحت کے ساتھ فرماتے ہین

قطرے مین کچھ نہین پانے کے سوا کیا کہئے
بات کہنے کی نہین ہے۔ یہ خدا کیا کہئے
ہم کہان ہم تو ہین معدوم مگر ہے کوئی
کھدیں کچھ صاف تو ہوتے ہین خفا کیا کہئے

یہ چند اشعار مشتے از خروارے سمجھئے۔ مولانا کا سارا دیوان اس قسم کے مسائل سے بھرا پڑا ہے۔

راز آفرینش۔ تصوف اوس فلسفہ کا نام ہے جو عابد کو اپنے معبود کیساتھ روحانی تعلقات قائم رکھنے کی ترغیب و تعلیم دیتا ہے۔ معبود کی حقیقت بیان ہو چکی، اب عابد کی حقیقت سنئے۔ علم تصوف کا ایک بہت بڑا حصہ فلسفہ امکان سے بھی تعلق رکھتا ہے جسے ہم اعلیٰ تصوف کہتے ہین۔

اعلیٰ تصوف مین کوئی سوال اس سے زیادہ مشکل نہین

کہ دنیا کی آفرینش کس وجہ سے ہوئی انسان کیا تھا اور کیا ہے۔ دنیا کسے کہتے ہین اور یہ کیا چیز ہے۔

ابن رشد اندلسی کا خیال ہے کہ مادہ ہمیشہ ہیولی کا محتاج ہے۔ بے صورت مادہ کا تصور ناممکن ہے۔

آسی کا بھی یہی خیال ہے ؎

کچھ نہیں ہوتا ہے جب تک کچھ نہ ہو
یہ طلسم عالم اسباب ہے

ان چند الفاظ میں آسی نے وہ مسائل طے کئے ہیں، جو ماطرلنک اور مولینا روم اپنی ضخیم تصنیفات سے بھی مشکل کر سکے ہیں۔ اس مشکل کو رفع کرنے کے بعد کہ یہ دنیا کہاں سے آئی۔ کسی کی آفرینش کا نتیجہ ہے یا خود بخود پیدا ہو گئی ہے۔ مولینا انسان کی ہستی کے بابت فرماتے ہیں۔

درخت پھل سے ہے پیدا، تو ہے درخت میں پھل
یہ میری تیری ہے پیدائی۔ اور پیدائی

منطق کا یہ ایک مسئلہ ہے کہ ہر چیز اپنی ہیئت ظاہری بدلنے کے بعد بھی وہی چیز رہتی ہے۔ بیج ایک دانہ اور شجر ایک تنا اور درخت ہے لیکن اہل منطق کے نزدیک بیج اور شجر دونوں کی اصلیت ایک ہے ذات الٰہی تخم ہے اور ہستی انسانی اوس شجر کی مانند ہے جو اوس سے اوگا ہے لیکن وہی شجر

جو اوس تخم کے نمو کا نتیجہ ہے بھرو سے ہی ثمر پیدا کرتا ہے۔ دوسرے الفاظ مین انسان کی ہستی کل کا ایک جزو ہے لیکن چونکہ جزو کل سے علیحدہ کوئی چیز نہین ہوا کرتی اس لئے جزو عین کل ہے۔

تیسرا سوال جو اس سلسلہ مین پیدا ہوتا ہے وہ یہ کہ دنیا کیون پیدا ہوئی۔ ارباب محبت مین ایک وہ مدرسہ خیال بھی ہے جو اپنی تخلیق کا احسان لینا پسند نہین کرتا۔ اون خیال ہے کہ

"مبدأ عالم حسن ہے اور حسن کو تقاضائے اظہار ہے اس لئے دنیا عدم سے وجود مین آئی" بہ الفاظ دیگر حسن خود بین ایک آئینہ کا متلاشی تھا۔

آسی کا بھی یہی خیال ہے۔

حسن پھر کس کام کا جب چاہنے والا نہ ہو
سچ ہے تجھسے دلربا کو لطف یکتائی نہ تھا

مولینا عبدالرحمن جامی بھی اس خیال مین ہمارے آسی کے ہم آہنگ ہین

۔ (یوسف و زلیخا صفحہ ۲۷)

لیکن آسی جب عالم امکان کے قیود پر نظر کرتے ہین تو اون کی حالت قابل دید ہوتی ہے۔ اون کی نظرون مین انسانی تاریخ کا وہ صفحہ ہے

جسپر اوس کی آزادی کے ترانے درج تھے۔ آسی انسان کا وہ زمانہ یاد کرتے ہین جب وہ "سقف و ستون" کے قیود سے آزاد تھا، جب اوس کی ہستی "حجاب گنج مخفی" مین پوشیدہ تھی، جب وہ خداوند زمین و آسمان" تھا اور جب اوس کی ذات سے "باغ ہستی کی بہار تھی

بے قیدیان بری تہین تجھی لامکان کی
کیون زیر بار منت سقف و ستون ہوا

حجاب گنج مخفی مین نہان تھے الٰہی ہم کہان آئے کہان تھے
جو اوس کوچہ کی حاصل تھی گدائی خداوند زمین و آسمان تھے
ہوئے ظاہر بسان نور باطن دل ارباب دل مین ہم نہان تھے
بہار باغ ہستی تھی ہمین سے نظر سے گو بزنگ بو نہان تھے

باب اللہ ایرانی کا خیال ہے کہ انسان کے لئے وہ زمانہ جلد آنیوالا ہے جب وہ اپنی لطافت کی باعث پھر ذات باری مین مل جائے گا۔ باب اللہ کا یہ خیال کوئی نیا خیال نہ تھا۔ صوفیائے کرام مین اکثر اس کے پیرو تھے ان کا خیال ہے کہ ہماری موجودہ زندگی اک گونہ "محو اثبات" کے

جھگڑے ہین - ایک سالک اپنی انفرادی حیثیت سے اور انسان اپنی
مجموعی حالت سے اوس وقت ذات باری سے واصل ہو سکتا
ہے جبکہ وہ اپنی ذات مین روحانیت بدرجہ اتم پیدا کرے - آسی اس کی
جانب اشارہ فرماتے ہین ؎

محو و اثبات کے جھگڑے مین پھنسا کر ہمکو
دیکھین کب لطف ترا عقدہ کشا ہوتا ہے

سالک راہِ حقیقت کو اپنے مقصود تک پہونچنے کیلئے مقام
رضا سے گذرنا ہوتا ہے - یہ وہ مقام ہے جہان عاشق اپنی
تمام خواہشات کو محبوب کے تابع کر دیتا ہے - محبوب کے خوشی
مین اوس کی خوشی ہے اور اوس کی رضا مین اوس کی رضا ہے - مقام
رضا کا آخری زینہ وہ ہے جہان نہ صرف اچھی بات اچھی معلوم ہوتی ہے
اور بری بات بری معلوم ہوتی ہے بلکہ بری بات بھی اچھی معلوم
ہوتی ہے - عاشق اوس دم مین حسن کا پہلو دیکھتا ہے اور اس طرح اپنے
دل کو تسکین دیتا ہے - آسی محو و اثبات کی جھگڑے سے پریشان ہین
اور حجاب گنج مخفی کی بھی تلاش ہے لیکن جب خدا نے دنیا مین اوسے

خلق کردیا تو اب وہ اوس مین بھی اپنے خیر کی صورت دیکھتے ہین ؎

موقع کسب و کمالات وہان کسکو ملا

وہی اچھے جنہین دنیا مین خدا نے بھیجا

آسی گو اس زیست سے بیزار ہین لیکن اتنا ضرور ان کا خیال ہے کہ دنیا مین انسان کو کسب و کمالات کی تحصیل کا موقع دیا جاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ وہ اشرف المخلوقات کے نام سے موسوم ہے۔

موت یا فنا۔ بقول بیکن موت سے انسان اوسی طرح ڈرتا ہے جس طرح ایک بچہ اندھیری کوٹھری مین داخل ہوتے ہوئے ہراسان ہوتا ہے۔ لیکن اگر لڑکے کو معلوم ہو جائے کہ اوس اندھیری کوٹھری مین کوئی خوفناک صورت نہین تو وہ کبھی نہین ڈریگا، اسی طرح انسان اگر حیات بعد الممات کے راز سے آشنا ہو جائے تو اوسی موت کا خوف کبھی دامن گیر نہوگا۔

یہی وہ راز ہے جسنے سالکان راہ حق کو موت سے بالکل بے خوف بنا دیا ہے۔ وہ موجودہ زندگی کی حقیقت سے بخوبی آشنا ہین۔ اونہین خوب معلوم ہے کہ حیات بعد الموت کیا شے ہے۔ صرف یہی نہین! اونہین یہ بھی معلوم ہے کہ انسان دنیا مین تخلیق ہونے سے پہلے کیا تھا اور اس عدم وجود کی جگہ ہوا

نے اوسکی رفعت کہان تک کہو دی ہے۔

"ڈبویا مجھکو ہونے نے نہ ہوتا مین تو کیا ہوتا" (غالب)

آسی کے دلون مین انسان کی گذشتہ زندگی کی یاد چٹکیان لیتی ہے۔ وہ کس افسوس سے اپنی بربادی پر چار آنسو بہاتے ہین۔ وہ کبھی خدا سے شکوہ کر بیٹھتے ہین ؎

سنگساران حوادث اور مجھا خستہ جان
مین یہان کیا کرنے آیا لائے دیکر دم مجھے

کبھی اون کا مخاطب خود انسان ہوتا ہے ؎

بقیدیان بری تہین سے تجھے لامکان کی
کیون زیر بار منت سقف دستون ہوا

ظاہر ہے کہ جس شخص کا دل اپنی گذشتہ عظمت و رفعت کو حسرت کی نظرون سے دیکھ رہا ہو۔ بھلا اوس کے نزدیک اس دنیا کی کیا وقعت ہو سکتی ہے، جسکی زندگی کا ہر لمحہ تکلیف و مصائب مین گذرتا ہے آسی کے نزدیک انسان کی زندگی فرقت و ہجر ہے۔ اس لئے وہ اس حیات ہجر کا جلد سے جلد ختم ہونا بہتر سمجھتے ہین۔

جانے آزاد ہم بھی خیت ہیں
ہیچ ہیں زندگی کی مدت کیا

آسی دنیا کو سجن مومن سمجھتے ہیں۔ اور اس لئے وہ آزادی کے ہر دم طالب ہیں۔

سجن مومن کے یہ معنی ہیں کہ تا قید حیات
پاؤں زنجیر ہیں دل زلف گرہ گیر ہیں تنہا

ایک کور باطن نظام دنیاوی کو ابدی سمجھتا ہے۔ اوس کو تمام انصرام و انتظام کے پیچھے یہ خیال پوشیدہ ہے کہ عالم قدیم ہے۔ وہ اوس بے عقل کی مانند ہے جو ہر اپنے رنج و راحت کو دوامی خیال کرتا ہے۔ لیکن آسی سا صاحب نظر دنیا اور اوس کے نظام کی کچھ اور ہی حیثیت سمجھتا ہے

ہستی ہے عین موجہ دریائے نیستی
درکار قوت نگہ اعتبار ہے

مادہ پرستوں کا خیال ہے کہ اس زندگی کے بعد آیندہ کوئی زندگی نہیں۔ شیرازۂ ہستی جہاں بکھرے عناصر جہاں الگ ہوئے دوبارہ جسم و روح کا اتحاد محال ہے۔

تو زر نئی اے غافل نادان کہ ترا
در خاک کنند۔ و باز بیرون آرند

صوفیائے کرام کا خیال ہے کہ فنائے دنیوی بقائے ازلی کا دیباچہ ہے ہر نیا وجود نئے عدم کا محتاج ہے۔ دنیا میں کوئی شے فنا نہیں ہوتی البتہ ظاہری ہیئت بدل جاتی ہے۔

وحدت الوجود کی فلسفہ کا یہ پہلا سبق ہے کہ ماسوا اور خدا صرف عارضی طور پر جدا ہیں، بعد الموت ان کی یہ جدائی ختم ہو جائیگی اور وہ دونوں آپس میں ملجائیں گے۔

دشمن زیست جدائی ہے تو ملتا کیا ہے
قطرہ دریا میں جو ملتا ہے فنا ہوتا ہے

دنیا ایک درمیانی منزل ہے۔ عدم سے ہم آئے تھے اور عدم ہی کو ہم جائیں گے۔ دنیا کی گذشتہ منزل ازلی ہے اور آیندہ منزل ابدی۔

لائے عدم سے لے بھی چلی جانب عدم
کیسی رفیق رہ ملی عمر روان مجھے

غنچہ کی چٹک بھی ایک منظر کیلئے آواز درا سے کم نہیں۔ ہمارا ہر نفس

بانگ جرس ہے۔ دنیا کی بے ثباتی اور موت کا خوف اور بھی زیادہ تکلیف دہ ہوتا ہے اگر ہمارا ضمیر ایمانی ہمین یقین نہ دلاتا کہ اس زندگی کے بعد بھی ایک اور زندگی ہے۔ اس موت کے بعد پھر جینا ہوگا۔ وہی ہم ہون گے اور وہی احباب۔ وہی صحبت ہوگی اور وہی بزم عشرت سے

ملتا ہون ہم ہین ہمراہ روان عدم سے مین
بانگ جرس ہی ہر نفس کاروان مجھے

آسی بھی کبھی موت سے خائف ہوتے ہین۔ لیکن نہ اس لئے کہ اون کی انفرادیت دنیا سے معدوم ہو جائیگی اور نہ اس لئے کہ کہین اختتام زندگی چراغ شخصیت کو ہمیشہ کیلئے گل نہ کردے۔ آسی مرزا غالب کی طرح اس خوف مین مبتلا ہین کہ کہین احیاے بعد الموت بھی ایک تنازع البقا اور کون و فساد ہی نہو۔ رباعی

پھر باغ تمنا غصہ پینا ہوگا
پھر ٹکڑے جگر کیسا تھ سینا ہوگا
جینے نے یہان کے مار ڈالا مجھ کو
سنتے ہین کہ پھر حشر مین جینا ہوگا

دنیا قیامت کی زندگی کو آخر زندگی سمجھتی ہے۔ لیکن حضرات صوفیہ کے نزدیک وہ بھی ایک ترقی کی منزل ہے۔ بقول علامہ شبلی "ترقی دراصل فنا اور عدم کا نام ہے۔ یعنی پچھلی صورت فنا ہوتی ہے اور ترقی کرکے نئی صورتیں پیدا ہوتی ہیں۔ اگر ایک ہی حالت قائم رہتی تو ترقی کی رفتار رک جاتی"۔ مولینا آسی اس ترقی میں کون و فساد اور تنازع البقا کے جھگڑے نہیں پاتے ؎

طلب تمام ہو۔ مطلوب کی اگر حد ہو
لگا ہوا ہے یہاں کوچ ہر مقام کے بعد

مطلوب کی ذات چونکہ غیر محدود ہے اس لئے اوس کی محبت کی زندگی بھی غیر محدود ہے۔

مسئلہ توسل۔ اسلام کی روحانی تعلیم میں مسئلہ توسل نہایت معرکتہ الآرا مسئلہ ہے۔ صوفیائے کرام توسل کے قائل ہیں۔ اون کا خیال ہے کہ ذات باری ارفع و اعلیٰ ہونے کے باعث انسان کو براہ راست حصول سعی سے بالاتر ہے۔ آسی کا بھی یہی خیال ہے ؎

ملنے والوں سے راہ پیدا کر اوس کے ملنے کی اور صورت کیا

اسی کا یقین ہے کہ خدا ہی کا ذریعہ بجز توسل کوئی نہیں۔

مذہبی اعتقادات پر طرف، اگر ہم اعلیٰ جذبات پر بھی غور کریں تو غالباً اسی نتیجہ پر پہونچینگے۔ عشق، محبت اور خوف کی مجموعی کیفیت کا نام ہے ایک عاشق حضور حبیب جاتے ہوئے کبھی تو اپنے محبوب کی شان و جبروت کا خیال کرتا ہے اور کبھی اوسے اپنی کم مائیگی پر شرم آتی ہے۔ وہ جانتا ہے کہ محبوب ہمیں نکال نہیں دیگا۔ اوسے یقین ہے کہ اگر وہ اوس کے جانب ایک قدم بڑھیگا تو وہ اوس کے سمت دو قدم بڑھ کیا ہے جو اوسے بڑھنے نہیں دیتا۔ کون سی بات ہے جس نے اوس کے پیروں میں زنجیر ڈال دی ہے۔ وہی ادب اور محبت اس خیال سے وہ اپنی محبوب کی ملنے والوں سے راہ و رسم پیدا کرتا ہے اور اس طرح اوس کی رسائی حریم یار تک ہوتی ہے۔

اعلیٰ تصوف نے اس مسئلہ کو نہایت پر لطف بنا دیا ہے۔ جس کا یہ قول ہو کہ ؎

جز تری کچھ نہیں موجود تری ذات کے سوا
جا بجا تو نظر آیا ہے یہی عالم ہو

بھلا اوس سے یہ کہنا کہ تم زید سے وسیلہ تلاش کرتے ہو اور تم بکر سے اعانت طلب کرتے ہو اسدرجہ مضحکہ خیز ہوگا مولانا آسی نے اس اصول کو کس لطف سے ادا کیا ہے۔

نسبت شرک بجز ہمت بیجا کیا ہے
دل ہے جب اوس کی طرف ناچ ہو بابل کی طرف

"تزکیہ نفس۔ تزکیہ نفس اور مجاہدہ سے روح کو ایک ادراک غیبی حاصل ہوتا ہے" صوفیائے کرام کے نزدیک عرفان حق کا یہی ذریعہ ہے۔ ارباب عقل و حال کے مابین یہ بہت بڑا معرکۃ الآرا مسئلہ ہے کہ تزکیہ نفس کے ذرایع کون سے ہیں۔ اور کیا ہر شخص تزکیہ نفس کے بعد عرفان الٰہی حاصل کر سکتا ہے۔ لیکن کم سے کم اسقدر تو ہر فریق کو تسلیم ہے کہ یہ سعادت "درس و تدریس تعلیم و تلقین سے حاصل نہیں ہو سکتی"

این سعادت بزور و بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

تزکیہ نفس تجرد و فنا سے حاصل ہوتا ہے جس قدر ہم دنیا سے خود

کو آزاد کرتے ہین۔ اوسی قدر ہم تزکیہ نفس حاصل کرتے ہین۔

مولانا آسی نے تزکیہ نفس کی تعلیم نہایت زور دار الفاظ مین دی ہے تزکیہ نفس کی تعریف کے بعد آپنے اوس کے تمام مدارج کا بھی پتہ بتادیا ہے۔ اگر اس بارہ مین مولانا کے سارے اشعار جو اس مضمون پر ہین اکٹھا کئے جائین تو ایک مستقل مضمون کی صورت اختیار کر لینگے۔

ماہران علم النفس کا خیال ہے کہ بغیر اندرونی صلاحیت ہم کسی شعبۂ زندگی مین کامیاب نہین ہو سکتے۔ مولانا آسی نے تزکیہ نفس کے لئے بھی صلاحیت کی تاکید ہے ؎

صلاحیت بھی تو پیدا کر اے دل نادان
پڑے ہین نقش کف پا یار پتھر پر

اس تعلیم کے بعد وہ فنا کی تاکید فرماتے ہین ؎

ڈبائی تھی جائے قیصر چرخ ہستی غیر کی بنا
کشتۂ امتیاز ہوں دیدۂ اشکبار کا

اس "ہستی غیر" کی وضاحت بھی دوسری جگہ فرمادی ہے ؎

اگر بیدل کو چاہو تم کہ منزل گاہ دلبر ہو تو جو ہو غیر تم ہو یا کہ غیر اس کی بابر ہو

آسی کے نزدیک فنا تزکیہ نفس کا ایسا ضروری سبب ہے کہ وہ بغیر اس کے تزکیہ نفس محال خیال فرماتے ہیں۔

نہ مستعد فنا ہو تو ذوق عشق غلط

فنا کا مفہوم آسی کے نزدیک "نقد ہستی بہ یار نثار کردن است" ہے

نقد ہستی نثار یار کرے۔ یہ نہیں ہے تو پھر محبت کیا

تزکیہ نفس کا اگر دائرہ وسیع کیا جائے تو اس کے اندر تمام وہ اخلاقی محاسن داخل ہیں جنکا ذکر ہم آسی کے اخلاقی شاعری" کے سلسلہ میں کریں گے۔

مولانا آسی کی اخلاقی شاعری

میہتو ارنڈ، ورڈسورتھ کے شاعری پر ایک اجمالی نظر ڈالتے ہوئے لکھتا ہے۔

"شاعر کا فرض ہے کہ وہ ہماری زندگی کے ہر پہلو پر ایک تنقیدی نظر ڈالے۔ شاعری محض ایک تبصرۂ کتاب ہستی ہے۔ اصلی معنوں میں شاعر وہی ہے جو ہمارے تمام جذبات کو ہماری زندگی کے ساتھ منطبق کرے اور اوسے ایک عمدہ طرز میں ہمارے سامنے پیش کرے

جبتک کہ شاعر کا کلام ہمین کوئی اصول حیات نہ بتائے اوس وقت تک نہ وہ شاعر شاعر ہے اور نہ وہ شعر شعر شاعر کا فرض ہے کہ وہ ہماری اخلاقی زندگی پر روشنی ڈالے۔ ہمین بتائے کہ ہماری طور و طریقے کہان خراب ہین اور ہماری اخلاقی کمزوریان ہمین کس جگہ تباہ کر ڈالینگی۔ موجودہ شعرا ہمارے اخلاق کی درستگی کے کوشان ضرور ہین لیکن نہ اونہین اسکا طرز معلوم ہے اور نہ طریقہ عمل سے واقفیت ہے۔ افسوس! اکثر ہماری اخلاقی زندگی کی باگ ایسون کے ہاتھون مین دیدی جاتی ہے جو ہمین شاہراہ بتانے کی جگہ خود بھی ٹھوکرین کھاتے ہین۔ اور ہمین بھی قعر ذلت مین گراتے ہین"

آگے چلکر اسی مضمون کو وضاحت سے بیان کیا ہے۔

"کبھی ہمین ایسی نظمون بھی دلچسپی محسوس ہوتی ہے جو یا یہ اخلاق سے بالکل گری ہوئی ہین اور کبھی ہم ایسی نظمون کو پسند کرتے ہین جو عمر خیام کے مشہور مقولے کے زیر عنوان آتی ہین اور کبھی ہم ایسے اشعار پسند کرتے ہین جو ان سب سے جدا ہین۔ مضمون تو بالکل لایعنی ہے لیکن الفاظ کی نشست۔ زبان۔ انداز بیان سب عمدہ اور اعلیٰ ہین۔

ایسی تمام حالتون مین ہمین دھوکا ہو جاتا ہے۔ اور اچھے اور برے کا امتیاز باقی نہین رہجاتا جب ہم کسی خاص نتیجہ پر نہین پہونچتے تو ہمین کچھ پریشانی بھی محسوس ہوتی ہے۔ ایسی پریشانی کا علاج صرف ایک ہے: ہمین چاہیئے کہ ہم صرف زندگی کے مفہوم کو اپنے ذہن مین کہین اور اوس کے مختلف پہلون پر غور کرین اور دیکھین کہ یہ نظم کہانتک ہمارے نصب العین کی مطابق ہے۔ وہ نظم جو ہماری اخلاقی زندگی کو اصول کے خلاف ہے وہ ہمارے شیرازۂ حیات کی بکھیرنے والی ہے وہ نظم جو ہمارے اخلاق کی جانب سے بے پروا ہے وہ ہماری زندگی کی طرف سے بیخبر ہے"

اخلاقی شاعری کا موجد محمد بن محمود بلخی ہے۔ یون تو اخلاق کے جستہ جستہ عنوان پند و مواعظت کی طریقہ پر ابتدا ہی سے شعرا کے کلام مین پائے جاتے تھے لیکن بہلوی بلخی پہلا شخص ہے جس نے اس صنف شاعری کو ایک مستقل لٹریچر بنا دیا۔ اس کے بعد تو اخلاقی شاعری نے وہ مقبولیت حاصل کی کہ مثنوی بیان نہین نظامی کی مثنوی "مخزن اسرار"، عبیدی جنابدی کی "گوہر شاہوار"، زلالی خوانساری

کے "حسن گلوسوز" یہ ساری کتابین اخلاق و موعظت مین لکھی گئین۔
فارسی اور اُردو شاعری کے بابت اکثر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ مشرقی
شاعری ہمارے اخلاق کو پست کرتی ہے توکل و خاکساری کے تعلیم
ہماری ہمت کو پست کرتی ہین۔ ترک دنیا اور قناعت کی تلقین ہمارے
تمدن پر بُرا اثر ڈالتی ہین۔ عفو و حلم کی باعث ہم مین آزادی اور حریت کا
احساس باقی نہین رہجاتا۔

مولانا شبلی نے شعر العجم مین ان اعتراضات کا بہت خوش اسلوبی
سے جواب دیا ہے جسے ہم ہدیہ ناظرین کرتے ہین۔

"ہم کو اس سے انکار نہین کہ اوس زمانہ مین اخلاقی تعلیم کا معیار
اس قدر بلند نہ تھا اور شخصی حکومت مین اس سے زیادہ بلند ہو بھی نہین سکتا تھا
لیکن یہان ایک غلط فہمی بھی ہے۔ اخلاقی مسائل کا جو مجموعہ آج موجود
ہے اوس کی نسبت لوگون کو یہ معلوم نہین کہ اون مین سے کیا چیز کس
موقع کی ہے۔ حلم و تواضع کی تعلیم بے شبہ عام آدمیون مین دنی
اور فروگی پیدا کرتی ہے لیکن غور کرو، ایشیائی ملکون مین خود سر
سلاطین اور امرا، جبروت، اقتدار، غرور و تکبر، نخوت و جاہ کے پیکر

مجسم ہوتے تھے اور اس وجہ سے کسی کو اون سے کہتے سننے کی جرأت نہین ہوسکتی تھی۔ ان کے لئے تواضع، حلم، انکسار سے بڑھکر کیا تعلیم ہوسکتی تھی۔ ہمارے اخلاقی واعظ اس نکتہ سے بخوبی واقف ہین کہ اون اخلاقی اوصاف کی مخاطب امرا ہین یا غربا لیکن اگر غور کیجئے تو یہ تصویر کا ایک رخ ہے۔"

ایک صوفی شاعر جہان مسئلہ وحدت الوجود کے پیمانے اوچھالتا تھا وہین وہ بادۂ نخوت کے جانگسل اثرات سے محفوظ رہنے کی بھی تلقین کرتا تھا۔ اخلاق و تصوف کا تعلق ظاہر ہے اس لئے صوفی شعرا بہت جلد تعلیم اخلاق کے ہیرو بن بیٹھے

اُردو شاعری مین اخلاق و موعظت کی ذمہ دار وہ بادہ تصوف کے متوالے ہین جن کی حیثیت دنیا مین نہ صرف ایک شاعر کی ہے بلکہ وہ اوس رفارمر یا مصلح قوم کے مانند ہین جنہون نے اپنے روحانی نغمات سے ایک مردہ قوم مین بیداری پیدا کردی ہے۔

مولینا آسی کا مشن جہان قرآن کی تلقین اور تصوف کی تعلیم ہے وہان اخلاقی موعظت بھی ہے۔

دنیا کی بے ثباتی - جس قوم مین بادہ پرستی بڑھی ہوئی ہو، جس جماعت مین دنیا سازی - دغا و فریب تملق و خوشامد کا ہر دم چرچا ہو، بھلا اوس قوم مین دنیا کی بے ثباتی سے بڑھ کر اور کونسی تعلیم مفید ہو سکتی ہے اگر ہم اپنی روزآنہ زندگی پر غور کرین تو اس کی حقیقت کا اور انکشاف ہوتا ہے - آج ہم دنیاوی جھگڑون مین مبتلا ہین - جوڑ توڑ اور سازش مین مصروف ہین لیکن ابھی اگر کوئی ہم سے دنیا کی بے ثباتی کا ذکر کرتا ہے تو ہم اپنی ساری بداعمالیون پر نفرین کرنے لگتے ہین - دل مین ایک خوف پیدا ہوتا ہے - اور کم سے کم چند لمحون کے لئے ہمارا دل نیکی اور بھلائی کی جانب متوجہ ہو جاتا ہے فرماتے ہین -

ثابت جو ہو رہی تھی گلشن کی ثبانی
جون جون ہنسے گل تر مین زار زار رویا

دنیا کی ناحکمی کی بابت فرماتے ہین -

بنیاد روزگار کی ناحکمی نہ پوچھ
گنبد حباب کا تو بہت استوار ہے

اسلوب بیان ملاحظہ ہو۔

توکل | صبر و توکل کی قدر و منزلت سے کچھ اونہین کے دل آشنا ہین۔ جنہون نے انسان کی اخلاقی معائب کے تحقیقات مین کچھ وقت صرف کیا ہے۔ ہماری زندگی مین کتنی خرابیان ہین جس کی ذمہ دار صرف ہوا و ہوس ہین۔ ہم مین کتنی برائیان ہین جو محض حرص و لالچ کی باعث پیدا ہوتی ہین۔ بعض حکمائے یورپ کا خیال ہے کہ توکل ہمارے تہذیب و تمدن پر بہت خراب اثر ڈالتا ہے۔ ہمین افسوس کیساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ان عقلا نے توکل کے اصلی مفہوم کو نہین سمجھا۔

جز توکل معنی دیگر بود درویش را
ورنہ سگ ہم در قناعت یکقدم بیش از گداست

ہمارے تہذیب و تمدن پر جس توکل کا خراب اثر پڑتا ہے اوسے توکل نہ کہئے بلکہ وہ ایک قسم کی کاہلی ہے۔ ہاتھ پیر توڑ کر بیٹھ جانیکا نام توکل نہین۔ توکل اوس کیفیت دماغی کا نام ہے جو انسان مین اسوہ دلی اور رضائے الٰہی پر تلقین کرنے کی باعث پیدا ہوتی ہے۔ توکل سعی و کوشش کا مانع نہین ہے۔ توکل انسان کو جستجو سے نہین

رد کتا، توکل اوس لغو اور بیہودہ نگاہو کو برا بتاتا ہے جو ہمارے کشمکش حیات کو پیچیدگیون مین مبتلا کر دیتی ہے۔

مولانا اسی مندرجہ ذیل شعر مین اسی قسم کی توکل کی جانب اشارہ فرماتے ہین

بسان اسیا پاکی توکل کو نہ لغزش دے
کہ منھ مین آ رہیگا خود بہ خود تقدیر کا دانا

توکل کا دار و مدار بہت کچھ اوس یقین پر ہے جو ہمین تقدیر اور مقدرات پر ایمان رکھنا پڑتا ہے۔ توکل کا تعلق مقدرات سے ظاہر ہے۔

آگے چلکر فرماتے ہین

کبھی تدبیر سے غیر از مقدر مل نہین سکتا
جو ہو تقدیر کا دانا۔ وہ ہے تدبیر کا دانا

ہندی مین ایک ضرب المثل مشہور ہے جسکا مفہوم یہ ہے کہ بچپن مین جبکہ انسان مجبور محض تھا اوسدم تو خدا نے اوس کی پرورش کی اور اوس کی غذا کا انتظام کیا۔ اب جب وہ بڑا ہوا تو کیا اب وہ اوسکی خبر گیری سے باز رہیگا۔ اس مضمون کو مولانا فرماتے ہین۔

کون ہو منت کش تدبیر اور وقت [illegible] کیا نہیں اب بھی [illegible] کا بچپن میں تھا

آتھی کے نزدیک تدبیر اور بیہودہ تگاپو ہم معنی الفاظ ہین اسی لئے وہ اوس تدبیر کی مذمت فرماتے ہین جس مین انسان کو تملق و چاپلوسی سے کام لینا پڑتا ہے آتھی کے لئے وہ تدبیر ایک فعل مذموم ہے جو ہمین احسان پذیری سکھاتی ہے۔

کارساز ایھی آسی کی دعا ہے تجھ سے
کام اوس کا کوئی منت کش تدبیر نہ ہو

کیا التجا ہے! آمین!

کسی بزرگ کا قصہ مشہور ہے کہ اون کے ایک مرید نے جب اوس سے رخصت کی اجازت چاہی تو فرمانے لگے بزرگ بھائی ذرا وہان پہونچکر اوس جگہ کے خدا سے میرا سلام کہدینا۔

مرید۔ حضرت! آپ کیا فرماتے ہین۔ کیا وہان کا خدا اور ہی اور یہان کا اور؟

بزرگ۔ بھائی! ہمارا تو یہ عقیدہ نہین لیکن تم تو غالباً یہی خیال کرتے ہو

مرد خدا! اگر ہر جگہ ایک ہی خدا ہے تو پھر یہ منت کی تگاپو کیسی؟

جسپر متوکل تھے یہان بھی ہے وہان بھی
تا رنج دم رحلت ہین غم زاد سفر سے

توکل کا دوسرا رخ ہے جاتا ہو تو اوسکا غم نہ کیجئے
کی بھی تلقین ہے شیکسپیر کا خیال ہے کہ اگر ہم گم شدہ شئے پر افسوس
کرتے ہین تو ہم چور کو اپنے نقصان پر خوش ہونے کا ایک مزید موقع
دیتے ہین۔ فرماتے ہین

پرایا حق وہ تھا، جاتا رہا جو ہاتھ سے تیرے
بسان آسیا ناحق کف افسوس ملتا ہے

کیا صنعت تمثیل ہے! سبحان اللہ!!

وقت کی قدر و محبت۔ اس مضمون کو حکما اور شعرا نے بہت زیادہ
وسعت دی ہے۔ دنیا اس بات پر متفق ہے کہ جب کسی قوم پر
زوال آنے والا ہوتا ہے تو اوس کے افراد وقت کی قدر و محبت سے
ناآشنا ہو جاتے ہین۔ آج کا کام کل پر ٹالا۔ کل کا پرسون پر۔ اسی طرح زندگی
کے دن گذر جاتے ہین، جب موت سر پر آپہونچتی ہے اوس وقت
آنکھ کھلتی ہے لیکن اوسوقت ساری کوششین بے سود ہوتی ہین

کس سے کیا ہو سکا بوڑھاپے مین
کس کو ماتم نہین جوانی کا

دنیا مین کتنے بوڑھے ہین جو مرتے وقت اپنے گذشتہ تضیع اوقات پر ایک حسرت بھری نگاہ ڈالتے ہین لیکن بقول مولینا ؎

کس سے کیا ہو سکا بڑھاپے مین

مولانا اوس تشائم الخیالی کو بھی برا سمجھتے ہین جس کی کیفیت کا ہمین اکثر غم والم کی حالت مین احساس ہوتا ہے۔ اکثر ہم مصائب کے وقت ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جاتے ہین اور کہتے ہین

اب کیا ہو سکتا ہے!

مولینا اس تشائم الخیالی کو بہت مذموم حرکت سمجھتے ہین۔ آسی اس مایوسی پر موت کو ترجیح دیتے ہین۔

موقع ہے یہی تجھ سے اڑا کیون نہین جاتا

کیا جھجھ ہے اے طائر جان سعی ہم پر رنیز

ہماری زندگی مین کتنے کام ہین جو صرف اس باعث کامیابی کی صورت نہین اختیار کرتے کہ ہم اونہین کل پر ڈال رکھتے ہین۔ بدقسمت شخص کی زندگی پر اگر غور کیجئے تو اوس کی ناکامیابی کا راز سوائے اس کے اور کچھ نہین کہ وہ آج کے کامون کو کل پر ملتوی کر دیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے

۳۲۲۰۴

کار امروز بفردا مگذار اے آسی

آج ہی چاہیے اندیشۂ فردا دل مین

پہلے مصرع مین جو فارسی ترکیب نے لطف پیدا کر دیا ہے وہ کچھ اہل بینش ہی سمجھ سکتے ہین۔

کاونٹ میٹرنک آف اسٹریا کہا کرتا تھا کہ ہماری نظرون مین آج کے دن کی صرف اس لئے وقعت ہی کہ وہ فردا کا پیش خیمہ ہی۔ دوسرے الفاظ مین ہماری تمام فکر کا مرکز فردا ہونا چاہیے۔ ہندی مین ایک ضرب المثل ہے: کہ آج تو اپنی فکر کرلیگا، کل کی فکر چاہیے شعر مذکورہ بالا کو مکرر ملاحظہ فرمایئے۔

کار امروز بفردا مگذار اے آسی

آج ہی چاہیے اندیشۂ فردا دل مین

مولینا آسی کی شاعری ایک فلسفیانہ نظر

اُردو شاعری مین فلسفیانہ خیالات کا ذخیرہ نہایت قلیل ہے۔ یا تو اُردو شعرا کی بدمذاقی پر محمول کیجیے یا زمانہ کا مقتضی کہیے۔ غالب

ہین فلسفیانہ خیالات ہم صرف اسلیئے پاتے ہین۔ کہ وہ فارسی شاعری کا بھی ماہر تھا اور ظاہر ہے کہ فارسی شاعری ہین فلسفیانہ خیالات کا جس قدر ذخیرہ ہے کسی زبان مین نہین۔

"فلسفہ کے خشک مسائل" بقول علامہ شبلی "شاعری کی حد سے باہر ہین۔ اول وقت طلب مضامین کا موزون کرنیوالا شاعر نہین کہا جا سکتا۔ وہ تو ایک ناظم ہے جس نے مضامین کو ردیف وقافیہ کی مصنوعی پوشاک پہنا کر کھڑا کر دیا ہے۔ شاعری ہین اگر جذبات معدوم ہین تو وہ شاعری نہین اسلیئے ماہرین فن کا خیال ہے کہ فلسفہ کے مسائل وہین تک شاعری ہین دخل پا سکتے ہین جہانتک وہ جذبات کے منافی نہون۔ طبعیات، عنصریات، فلکیات۔ الہیات، یہ سب فلسفہ کے نام سے موسوم ہین لیکن جس فلسفہ کا شاعری سے تعلق ہے وہ ان معدود علوم سے کہین ارفع و اعلیٰ ہے"

شاعری مین جو فلسفہ کا سرمایہ ہے اوسکے حسب ذیل حصے ہین۔

۱۔ تصوف اس مین ہر دو فلسفہ وحدت الوجود و فلسفہ رسالت دونون شامل ہین۔

۲۔ اخلاق جسے عارف فلاسفی بھی کہتے ہین۔

۳۔ علم النفس: اس مین عشق و محبت بھی شامل ہے۔ فلسفۂ ذہنی بھی اسی مین داخل ہے۔

۴۔ فلسفۂ حیات جسمین تنازع البقا اور کون و فساد بھی شامل ہین۔

۵۔ نظریۂ زیست جس مین زندگی کے ہر دو رخ متفائل بالخیری اور متشائم الخیالی دونون شامل ہین۔

۶۔ فلسفۂ ابتہاج۔

فی زمانہ اُردو شاعری محض فلسفۂ تصوف پر مبنی ہے۔ تصوف مین چونکہ محبت کا عنصر غالب رہتا ہے اس لئے واجبی ایجد خان بھی اس کی اصطلاحات کے پیرایہ مین جذبات کا اظہار کرنے لگے۔

اُردو کی موجودہ شاعری کو دیکھکر فریدرش نطشے کا وہ قول یاد آجاتا ہے جسے ڈاکٹر عبدالرحمن بجنوری مرحوم نے اپنے مقدمہ غالب مین نقل کیا ہے۔

"مین شعرا سے تنگ آیا ہون۔ قدیم شعرا سے اور جدید سے۔ وہ سب پایاب پانی ہین اون کی مثال خشک دریاؤن کی سی ہے اونکا تخیل تعمق سے خالی ہے، ان کے احساسات سطحی ہین۔

تعیش اور رندی کے جذبات کے سوا ان کے دیوانون مین کچھ نہین"
جس طرح غالب اس الزام سے بری ہے اوسی طرح ہمارا آسی
بھی اس تہمت سے مبرا ہے۔ کیا آسی ایک فلسفی ہے۔ کیا آسی شاعر
ہے۔ نہین نہین اوس کی ذات اس سے کہین زیادہ ارفع اور اعلیٰ
ہے۔ اوس نے اپنے پیغام حق کو شاعری کا جامہ اس لئے پہنایا ہی
کہ مبادا ہماری چشم کم بین اوسے دیکھکر چکا چوند نہ ہو جائے۔ آسی کا پیغام
عمل شاعری کی مصنوعی پوشاک سے مزین ہو کر بام رفعت سے نیچے
اوترتا ہے تاکہ وہ دنیا کے عقل کے دوش بدوش کھڑا ہو۔ آسی کے
نظریات اصول فلسفہ کی صورت اسلئے اختیار کرتے ہین کہ ہماری عقل
مدرکہ اون کے سمجھنے سے قاصر نہ رہجائے۔

"اسکی زبان ترجمان حقیقت ہی۔ اوسکی پرکار تخیل کا دایرہ دائرہ امکان سے ہمکنار ہے"
یون تو دیوان آسی لوح سے تمت تک

ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار

لیکن چند خاص مسائل کا ذکر پھر بھی ناظرین کی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا

ذات باری - دہریہ خدا کے منکر ہین - صوفیائون کو شک ہے
منطقی استدلال کے خواہان ہین لیکن ارباب نظر کیلئے استدلال
و برہان کی ضرورت نہین - تصوف اور فلسفہ دو راستے ہین اور یہ دونون
آگے چلکر مل گئے ہین اور ان کے ملنے کے بعد جو راستہ نکلتا ہے
اوسے اعلیٰ تصوف یا اعلیٰ فلسفہ کہتے ہین - اس اعلیٰ فلسفہ کی شاہراہ
پر چلنے والا ذرہ ذرہ مین آفتاب حقیقت کے جلوے دیکھتا ہے
اوسکے نزدیک ذرہ ہر ان مین شان حق کا
وہ اگر خدا کو پوشیدہ بھی سمجھتا ہے تو اسی لئے کہ اوس کی جلوہ
آرائیان نہایت درجہ ہویدا ہین -

کمال جلوہ ہے پردہ سے بڑھکر
حجاب ہے یار تیری لن ترانی

فلسفیون مین ایک مدرسہ خیال ہے جسے پانتھیزم یا میٹرنیسٹ کہتے
ہین - اون کا خیال ہے کہ دنیا کا خالق ایک مادہ ہے جسنے مختلف
صورتین اختیار کین اور کرتا ہے - اجزائے دی متر انیسی ملکر زمین
و آسمان و سیارے وجود مین آئے

آسی کا فلسفہ کچھ اور ہی کہتا ہے۔ وہ اوس خدا کو ماننے کیلئے طیار نہیں جس کی ذات چند پریشان شیرازوں کا مجموعہ ہے۔

اوسی کو دیکھتے ہیں جمع بلکہ جمع الجمع
جسے سمجھتے رہے مدتوں پریشانی

ان کا خیال ہے کہ "جو کچھ ہے ایک ہی ذات ہے۔ موجودات خارجیہ سب اوسی کے شئونات ہیں"

ہنوز تفرقۂ جلوہ کچھ نظر میں نہیں
پسند کیجئے کعبہ کو یا کلیسا کو

خدا کے وجود کے تسلیم کر لینے کے بعد "اثبات مکان" کا مسئلہ نہایت پیچیدہ ہے۔ آسی کو ایک دوسری ہی دقت درپیش ہے

عرش پر کہئے تو اثبات مکان ہوتا ہے
کیا فلک بھی مرے سینہ کے برابر ہوتا

تعین اور رفع تعین دونوں صورتوں میں آسی لطف اندوز ہیں۔ ذات باری کا تعین اور اک انسانی کیلئے نہایت سہولت پیدا کرتا ہے لیکن تعینات کا اختلاف عقل حیوانی کو تھوڑی دیر کیلئے پریشان کر دیتا ہے

آسی اختلاف تعینات سے پریشان نہین ہین لیکن متعجب ضرور ہین۔

تعینات مین کیا اختلاف ہوتا ہے
وہ بدر عالم حسن اور انکھ کا تارا

رفع تعین عوام کے لئے ضرور باعث پریشانی ہے لیکن اہل نظر کیلئے باعث اطمینان ہے۔ آسی رفع تعین سے شاد ہین۔ ؎

ہوا جو رفع تعین تو جز بہار نہ تھا
یہ برگ و بار۔ گل و غنچۂ گلستانی

علم انسان کو ذکی الحس بنا دیتا ہے۔ اوس کے خیالات ہمیشہ ترقی کی جویان رہتے ہین۔ ایک مشکل کے حل کے بعد اوس کے آگے دوسری مشکل آجاتی ہے۔ آسی ان مسائل کے حل کے بعد ایک دوسرے خیال مین محو ہین ؎

غیر کو غیر جو کہئے تو غلط ٹھہرا دے
اور کہئے کہ وہی ہے تو خفا ہوتا ہے

لیکن اس خفگی اور بدگمانی کو آسی ان الفاظ مین رفع کرتے ہین

کوئی تیرے سوا کہین ہے بھی
بدگمانی کی مجھ سے علت کیا

عرفی اور آسی دونون نے تحقیق ذات باری کے بابت یہ قطعی فیصلہ کردیا ہے کہ

سودائے ذوق جلوہ عبث جب نظر نہین

عرفی کے سامنے تصویر کا محض ایک رخ تھا لیکن آسی نظر و ناظر و منظور سب کی طرف سے باخبر ہین۔

سودائے ذوق جلوہ عبث جب نظر نہین

جلوہ تو بھر اہل نظر بے قرار ہے

فلسفۂ رسالت۔ مسئلہ وجود باری تعالیٰ کے بعد اگر کوئی مسئلہ ہے جسنے ایک عالم کو پیچ و تاب مین ڈال رکھا ہے تو وہ مسئلہ رسالت ہے۔ ایک رسول کی ذات پر اگر فلسفیانہ نظر ڈالی جائے تو عجیب و غریب سوالات پیدا ہوتے ہین۔

۱۔ کیا ہر شخص رسول بن سکتا ہے، یا چند خاص ذاتین جنھین اللہ جل شانہٗ نے اس سعادت کیلئے مخصوص کر رہا ہے!

۲۔ کیا نبوت ایک کسبی کیفیت کا نام ہے!۔

۳۔ کیا رسول تجسید باری ہے، جسنے انسان کی خاطر جامۂ

انسانیت قرین کیا ہے!

ان مسائل کی بابت ہم یہاں بالتفصیل بحث کرنا نہیں چاہتے۔ عوام
بے محل ہونے کا یہ خوف ہے کہ یہ مسائل مبادا عوام کے ایمان کو متزلزل
نہ کر دیں۔ صرف ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ آسی نے فلسفۂ رسالت پر کیوں
کر بحث کی ہے۔

بعض ظاہر بین آسی پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ وہ تجسید باری کے قائل
ہیں۔ (نعوذ باللہ) اور ثبوت میں یہ پیش کرتے ہیں ؎

وہی جو مستوی عرش تھا خدا ہو کر

قبل اسکے کہ ہم اس مسئلہ پر بحث کریں ہم ناظرین سے استدعا کریں
گے کہ وہ براہ کرم آسی کے نظریات ذات باری و وحدت الوجود پر غور
کریں۔ ان دو عنوانات میں آسی نے حق و غیر حق کے ظاہری اختلافات
پر مفصل بحث کی ہے۔ ان دو عنوانات کے مطالعہ کے بعد غیر حق
کا سوال ہی بالکل نہیں رہجاتا۔ ایک صوفی کے نزدیک جب ہر ذرہ
انسانی آفتاب وحدت کا ٹکڑہ ہے تو پھر خود وہ ذات بابرکات
جو متفقہ طور پر ذات باری کے نور سے پیدا ہے اگر غیر حق میں شامل

نہ کیجائے تو اصول مین کونسا اختلاف لازم آتا ہے۔

بجز تمہارے کسی کا وجود ہو یہ محال
مگر تمہین نظر آتے ہو ماسوا ہوکر

فلسفۂ رسالت کے اس مسئلہ پر حکمار کا اتفاق ہے کہ رسول زمانہ بعثت مین تمام عمدہ خصائل انسانی کا نمونہ ہوتا ہے، اوسکی ذات مین تمام وہ باتین مکمل طور پر پائی جاتی ہین جنکا شمار محاسن مین ہے۔ صوفیائے کرام کے نزدیک ایسا شخص گو جامۂ انسانی مین ہے لیکن صفات بشری سے مزین ہے۔

آپ کے نزدیک خدا کی قدرت کا عروج تخلیق نبی مین شامل ہے۔

بلندی اوسکی اوسکی پستی ہر ایک شے مین اوسکی ہستی
عروج اوسی کا رسول ہوکر نزول اوسی کا کتاب ہوکر

فلسفۂ زیست۔ لانگ فیلو (LONGFELLOW) نے کیا خوب کہا ہے کہ

"شاعر تمام علم و حکمت کا بادشاہ ہے۔ وہ ہمین صرف منزل مقصود کا راستہ ہی نہین بتاتا بلکہ راہ حیات کا وہ دلکش منظر پیش

کرتا ہے کہ دل مجبوراً سفر کیلئے آمادہ ہو جاتا ہے۔

آسی علم و حکمت کا بادشاہ ہے، وہ راہِ حیات کے محض دلکش منظر نہیں پیش کرتا، وہ صرف خضرِ رعا کے مانند رہنمائی ہی نہیں کرتا بلکہ وہ ہمارے ساتھ پاکیزہ جذبات اور لطیف خیالات کا ایک توشہ باندھ دیتا ہے جسے ہم لیکر خوش خوش منزلِ مقصود تک پہونچ جاتے ہیں۔

ایک رہنما کا فرض ہے وہ ہمیں راستہ کے تمام خوف و خطر سے آگاہ کرے، وہ ہمیں بتائے کہ کون سا راستہ منزلِ مقصود تک جاتا ہے اور کس راہ میں دشمن ملینگے اور کس راہ میں دوست۔ غالب کے مانند آسی محض ہمیں دنیا کے مکر و فریب ہی سے نہیں آگاہی دیتے، بلکہ وہ ہمیں اوس دوست کا بھی پتہ دیتے ہیں جس تک پہونچنا ہماری کوشش کا اصل مقصد ہے۔ ؎

فریبِ عالمِ صورت سے بچنا
نہیں کوئی کسی کا جز خدا دوست

آسی کا فلسفۂ زیست حافظ شیرازی سے بہت کچھ مشابہ ہے دونوں کا یہ خیال ہے کہ ہماری زندگی ایک کشمکشِ حیات ہے ہمارا فرض سعی و کوشش ہے

باقی رہا کامیابی یا ناکامیابی یہ خدا کے ہاتھ ہے۔

بس تمہاری طرف سے جو کچھ ہو
میری سعی اور میری کوشش کیا

انسان اپنی تدابیر کی کامیابی کا ذمہ دار نہین۔ بقول خود
"کامیاب وہ شخص نہین جو منزل مقصود تک پہونچ سکا۔ بلکہ کامیاب
وہ ہے جسنے کوشش کی اور ناکامیاب وہ ہے جسنے کوشش
نہین کی"

ہمارے نزدیک سکندر و خضر دونون برابر ہین۔ صرف اوسکی نادانی
اوس کی کوششون پر پانی نہین پھیر سکتی۔

بہر صورت طلب لازم ہے اب زندگانی کی
اگر پایا خضر تم ہو نہین پایا سکندر ہو

آسی ان کفن بردوش فلسفیون مین نہین ہین جو دنیا کو سرے ہی سے
ناقابل رہایش جگہ سمجھتے ہون۔ اون کی نظرون مین دنیا ایک عجیب
و غریب جگہ ہے جسمین رہ کر انسان خوشی و غم دونون اوٹھاتا ہے۔
اس جہنم یا پائدار مین رہ کر اپنے اعمال کی بدولت ہم خدا سے مل بھی سکتے

ہین اور ہمیشہ کیلئے اوس کی نعمتون سے محروم بھی ہو سکتے ہین ؎

ملنے کی بھی راہ نہ ملنے کی بھی راہ
دنیا جسے کہتے ہین عجب رہگذر ہے

دنیا مین کتنے ہین جو چاہتے ہین کہ اونہین عمر خضر نصیب ہو۔ دنیا مین کتنے ہین جنکی خواہش ہے کہ اونہین کبھی موت نہ آئے لیکن جب اس خواہش کو انسان پوری ہوتے نہین دیکھتا تو وہ چاہتا ہے کہ ہماری ذات دنیا مین نہ رہے نہ سہی لیکن ہمارا نام تو دنیا مین رہجائے۔ لیکن کیا یہ اوسکی خواہش پوری ہوتی ہے!

موت کے بعد بھی انسان تنازع البقا کے جھگڑون سے رہائی نہین پاتا۔ زندگی مین اوس کی جان معرض خطر تھی اور اب اوس کا نام معرض خطر ہے۔ دنیا ہمیشہ یادرفتگان کے مٹانے کی کوشان رہی، لیکن قوت متعارضی

"کشتگان خنجر تسلیم"

کا نام دنیا سے مٹنے نہین دیتی۔

حقیقت مین وہی جیتے ہین بس تجھپر جو مرتے ہین

انسان کو ہمیشہ یہ کوشش کرنی چاہیئے کہ وہ اوس موت سے پرہیز کرے

جسکو متعلق کوئی یہ نہ کہہ سکے
وہ بھی کیا مزا کہ خود فطرت تجھے دیدے جواب

بلکہ ؎

جو ہو سکے تو جئے اس طرح زمانے مین
کہ مر بھی جائے تو مرگ اوسکی زندگانی ہو

نمونۂ کلام

ذیل مین ہم آتشی کے چند اشعار درج کرتے ہین جنھون نے دنیائے ادب مین خاص مقبولیت حاصل کی ہے۔ گو انتخاب مین یہ ساری اشعار درج ہین۔ لیکن دل نہین مانتا کہ اونہین نمونتاً ہدیہ ناظرین نہ کرین۔

حد حیرت دیکھتا تھا اپنی آرائش کیساتھ آئینہ خانہ مین وہ محو خود آرائی نہ تھا

حال دل کسا خاک مین کہتا کہ ناہنگام مرگ آپ کا شکر جفا یا شکوۂ تقدیر تھا

دوست پر کس دوست نے کی ہوگی ناوک افگنی ہو نہو ای فتنہ گر دشمن تری چتون تھا

نہ گرے اوس نگاہ سے کوئی ہو اور افتاد کیا مصیبت کیا

تا سحر وہ بھی نہ چھوڑی تو نے او باد صبا یادگار رونق محفل تھی پروانے کی خاک

نہ ساری کو شرم آئی نہ غفاری کو غیرت ہو قیامت ہین ترا بندہ ترے آگے فضیحت ہو

کوئی تو پیکا نکلیگا اُڑیگی کچھ تو بو منھ سے در پیر مغان پر مئے پرستو چلکے بستر ہو

جو ہو سکے تو جئے اسطرح زمانہ مین کہ مر بھی جائے تو مرگ اوسکی زندگانی ہو

مندرجہ ذیل اشعار بھی خاص کر قابل توجہ ہین جن کی نزاکت ملاحظہ ہو۔

کیکو دیکھ کے لغزش خرامون مین آئی شراب پی کہ وہ آنکھین نہ ہو نکھین بنام

شاگرد ہے کسکا فلک پیر ستم پیشہ گردش مین تو استاد ہی تقدیر ہماری

"ظاہر ہین عمدہ نظم کو پریشان خیالات کا ذخیرہ سمجھتا ہے۔ لیکن ایک مبصر اون بکھرے ہوئے شیرازون کو ایک زنجیر مین منسلک پاتا ہے جس کے ہر حلقہ کو اپنے نازک ہاتھون کو ایک دوسرے کی گردنون مین ڈالے ہوئے مست جھومتے ہین"

(ٹیگور)

فہرست نظم و غزل معہ صفحہ

نمبر	عنوان	صفحہ	نمبر	عنوان	صفحہ
	ردیف الف				
۱	التجائے آستی	۱	۱۲	قصۂ ماضی	۷
۲	گریۂ غم	۲	۱۳	محنتِ طلب	۸
۳	اصول زیست	۲	۱۴	سرِ حقیقت	۸
۴	ماضیٔ عشق	۳	۱۵	نتیجۂ الفت	۹
۵	حاجتِ عشق	۳	۱۶	حدیثِ نفس	۹
۶	بیانِ حقیقت	۳	۱۷	مستثنیاتِ الفت	۱۰
۷	تمنائے عشق	۴	۱۸	گفتارِ مصطفےٰ	۱۱
۸	میخانۂ دل	۵	۱۹	خرامِ جلوہ	۱۱
۹	طرازِ گنجِ اسرار	۵	۲۰	نیازِ عشق	۱۲
۱۰	بیانِ ماضی	۶	۲۱	عہدۂ عشق	۱۳
۱۱	جوشِ اثر	۶	۲۲	تصویرِ آب	۱۴

نمبر	عنوان	صفحہ	نمبر	عنوان	صفحہ
۲۳	حدِ حیرت	۱۴	۲۶	قرۂ حسنِ قبول	۱۵
۲۴	دانۂ تحریر	۱۴	۲۷	تلخیٔ تقدیر	۱۶
۲۵	غمِ الفت	۱۵	۲۸	خرمنِ حاصل	۱۶
	ردیف ب و ت				
۳۹	سراپا اضطراب	۱۷	۳۰	تبہائے عشق	۱۷
	ردیف ث و ج				
۳۱	بیانِ غم	۱۸	۳۳	کشفِ حقیقت	۱۹
۳۲	افکارِ آشتی	۱۹	۳۴	فلسفۂ حقیقت	۲۰
	ردیف ح و خ				
۳۵	آتشِ نارا	۲۰	۳۶	جوشِ طلب	۲۱
	ردیف د و ذ				
۳۷	گنجِ مخفی	۲۲	۳۸	افسانۂ دل	۲۲
	ردیف ر و ز				
۳۹	افکارِ لنشین	۲۳	۴۰	شکوۂ الفت	۲۳

نمبر	عنوان	صفحہ	نمبر	عنوان	نمبر
۴۱	قوانین عمل	۲۳	۴۵	حسنِ تعلیل	۲۶
۴۲	معانی عشق (۱)	۲۴	۴۶	خواہش عشق	۲۶
۴۳	زبان حباب	۲۵	۴۷	جذبۂ دل	۲۷
۴۴	ذکر لسانی	۲۵	۴۸	استفہام عشق	۲۷
			ردیف و		
۴۹	عرض عشق	۲۷	۵۶	دیدہ و سرشک	۳۱
۵۰	حقیقت	۲۸	۵۷	نالۂ حسرت	۳۱
۵۱	آب زندگانی	۲۸	۵۸	کوزہ عشق	۳۲
۵۲	استفہام نیاز	۲۹	۵۹	محشر ہنگامۂ تمنا	۳۲
۵۳	چاشنیٔ حسرت	۳۰	۶۰	معانی عشق (۲)	۳۳
۵۴	سوالِ عشق	۳۰	۶۱	خدنگ جلوہ	۳۴
۵۵	معیارِ محبت	۳۱	۶۲	طرز زیست	۳۴
			ردیف ی - یائے		
۶۳	داغِ غم	۳۴	۶۴	اسرارِ نہانی	۳۵

نمبر	عنوان	صفحہ	نمبر	عنوان	صفحہ
۶۵	تدبیر عشق	۳۵	۷۹	دیدہ بے خواب	۴۳
۶۶	عرض ہنر	۳۶	۸۰	تمنائے الفت	۴۳
۶۷	ادراکِ حقیقت	۳۷	۸۱	موجِ نظر	۴۴
۶۸	گلستانِ دل	۳۸	۸۲	چشم و ابرو	۴۴
۶۹	طلسمِ حسن	۳۹	۸۳	راہِ طریقت	۴۵
۷۰	شعلۂ زار سوزِ غم	۳۹	۸۴	آہِ رسا	۴۵
۷۱	پامال حسرت	۴۰	۸۵	گو مگو	۴۵
۷۲	چشمِ بصیرت	۴۰	۸۶	صہبائے کیفیت	۴۶
۷۳	نالۂ اسیر	۴۱	۸۷	حسرتِ دیدار	۴۶
۷۴	عرفانِ حقیقت	۴۱	۸۸	اقوالِ آسی	۴۷
۷۵	حسرت شفاعت	۴۲	۸۹	کیفِ عشق	۴۸
۷۶	خبر اشک	۴۳	۹۰	سرگذشتِ عشق	۴۸
۷۷	افات جنون	۴۲	۹۱	چشم تصور	۴۹
۷۸	نگۂ اعتبار	۴۳	۹۲	طلسم زیست	۴۹

نمبر	عنوان	صفحہ	نمبر	عنوان	صفحہ
۹۳	نالۂ زار	۵۰	۱۰۶	جادو بیان	۵۷
۹۴	عرفانِ حق	۵۰	۱۰۷	تلقین نالہ	۵۸
۹۵	دلِ آگاہ	۵۱	۱۰۸	رہگذرِ عشق	۵۹
۹۶	عروسِ فکر	۵۱	۱۰۹	سرِ جوشِ فنا	۵۹
۹۷	سوزِ حسن	۵۲	۱۱۰	محشرِ تمنا	۶۰
۹۸	فتنۂ رازِ حشر	۵۳	۱۱۱	صیدِ فنا	۶۰
۹۹	آئینہ خانہ	۵۴	۱۱۲	التجائے دید	۶۱
۱۰۰	یادِ ماضی	۵۴	۱۱۳	صحرائے تمنا	۶۱
۱۰۱	نسبتِ عشق	۵۵	۱۱۴	آسمیں مینوش	۶۲
۱۰۲	ذکرِ محبوب	۵۵	۱۱۵	عکسِ حسن	۶۲
۱۰۳	حجابِ حسن	۵۶	۱۱۶	آفاتِ فرقت	۶۳
۱۰۴	اتحادِ کامل	۵۷	۱۱۷	فلسفۂ ربوبیت	۶۳
۱۰۵	معذوریٔ عشق	۵۷	۱۱۸	نومیدیٔ یاس	۶۴

فہرست رباعیات

نمبر	عنوان	صفحہ	نمبر	عنوان	صفحہ
۱	آرزوئے دل	۱	۱۳	مردم دیدہ	۴
۲	حیات بعد الممات	۱	۱۴	منزل فنا	۴
۳	ظاہر و مظاہر	۱	۱۵	نالۂ درا	۴
۴	شب گور	۲	۱۶	ساز خودی	۵
۵	طلب کامل	۲	۱۷	خاموشی	۵
۶	صور معنی	۲	۱۸	نسبت حسن	۵
۷	شوق طلب	۲	۱۹	سر تخلیق آدم	۵
۸	نقش کف پا	۳	۲۰	دائرۂ فنا	۶
۹	جام صہبا	۳	۲۱	مدت زیست	۶
۱۰	فروتنی (۱)	۳	۲۲	نقش ہستی	۶
۱۱	پیری	۳	۲۳	اسرار خودی	۶
۱۲	تشنگی الخیالی	۴	۲۴	نور الفت	۷

نمبر	عنوان	صفحہ
۲۵	خاکساری	۷
۲۶	شکایتِ روزگار	۷
۲۷	صدائے گور	۷
۲۸	رازِ ہستی	۸
۲۹	پاک طینت	۸
۳۰	انکسار	۸
۳۱	منصبِ ہدایت	۸
۳۲	ماسوا	۹
۳۳	سفرِ در وطن	۹
۳۴	تفریدِ و تجرید	۹
۳۵	حدِ فنا	۹
۳۶	خلوت در انجمن	۱۰
۳۷	انتہائے عشق	۱۰
۳۸	ہستی ماسوا	۱۰
۳۹	موتوا قبل ان تموتو	۱۰
۴۰	ذلتِ عشق	۱۱
۴۱	دخترِ زر	۱۱
۴۲	کنجِ عزلت	۱۱
۴۳	اضطرابِ سیماب	۱۱
۴۴	رہ طلب	۱۲
۴۵	فروتنی (۲)	۱۲
۴۶	گرانبارئ غم	۱۲
۴۷	سامانِ مراد	۱۲
×	——	

بسم اللہ الرحمن الرحیم

التجائے آتشی

تاب دیدار جو لائے مجھے وہ دل دینا
منہ قیامت میں دکھا سکنے کے قابل دینا

پاؤں یارب مجھے تاجِ سرِ منزل دینا
ہاتھ بھی گردنِ مقصد میں حمائل دینا

غیر ظاہر نہ مظاہر کی حقیقت سمجھوں
اتنی تمیزِ میانِ حق و باطل دینا

رشکِ خورشید جہانتاب دیا دل مجھکو
کوئی دلبر بھی اسی دل کے مقابل دینا

اصل فتنہ ہے قیامت میں بہارِ فردوس
غیر تیرے کچھ بھی نہ چاہیے مجھکو دل دینا

ہائے ہائے تری عقدہ کشائی کو فدا
تو ہی کھولے جسے وہ عقدہ مشکل دینا

خون فشانی ہو میری آئینہ روئے فنا
دونوں آنکھوں کو رگِ گردنِ بسمل دینا

ناتوانوں کے سہارے کو ہے یہ بھی کافی
دامنِ لطف غبارِ سرِ محمل دینا

درد کا کوئی محل ہی نہیں جب دل کو ملے
مجھکو ہر عضو کے بدلے ہمہ تن دل دینا!

ذوق میں صورتِ موج آکے فنا ہو جائے
کوئی [illegible] دینا

گریۂ غم

ہمدرد کی مصیبت دیتی ہے کیا اذیت
بلبل نے نالے کھینچے ہیں زار زار رویا

برباد کر دیا جب قسمت نے گلستاں کو
ابر بہار بنکر میرا غبار رویا

ثابت جو ہو رہی تھی گلشن کی بوتباتی
جوں جوں ہنسے گل تر ہیں زار زار رویا

رقت سے وقت رخصت دیکھا ہی مشکل
جب آنکھ اُدھر اوٹھائی بے اختیار رویا

اظہار سوز دل کو آسی نے شمع آسا
جوں ہی زبان کھولی بے اختیار رویا

اصول زیست

تربیت پائے محبت میں تو اب دل کو سنبھال
گر پڑیگا صفت برق جو بیتاب ہوا

خاکساری سبب آبروئے سالک ہے
جو ملا خاک میں انسو دُرِ نایاب ہوا

قابل سجدہ ہوا جھک کے ملا جو کوئی
قدِ خم گشتہ میں پیدا خم محراب ہوا

جس نے دیکھا تجھے کیا خاک لگے آنکھ اوسکی
دیدۂ رخنۂ دیوار بھی بیخواب ہوا

ماضیٔ عشق

امتیاز صید و صید افگن نہ تھا جس عہد میں
تیرے فتراک نظر کا مرغ جان نخچیر تھا

سچ بتانا اے نگاہ ناز تیرے بھیس میں
کس قدر انداز کے دست و کمان کا تیر تھا

یار تک پہونچا تو میں لیکن فنا ہونیکے بعد
جادۂ راہ طلب تھا یا دم شمشیر تھا

میں جسے سنکر حیات جاودانی پا گیا
وہ دم ذبح اوسکے منہ سے نعرۂ تکبیر تھا

وہ مصور تھا کوئی یا آپ کا حسن شباب
جس نے صورت دیکھ لی اک پیکر تصویر تھا

پائے بوس آسی دیوانہ کا اللہ رے شوق!
حلقۂ چشم تصور حلقۂ زنجیر تھا

حاجت عشق

عشق میں اے کوہ کن کیا زخم سر درکار تھا؟
زخم دل درکار تھا زخم جگر درکار تھا

اہل تھے محرومیٔ دیدار کے تم اے کلیم!
میں ازل کا بے جگر مجھکو جگر درکار تھا

جا کہا اے دل کے ٹانکے اتنی سیری کیا کہا!
درد دل تجھکو بھی کچھ اے چارہ گر درکار تھا

مجھ سے بیمقدار کا دل اور جلوہ آپکا!!
سچ ہے اے خورشید ہر ذرے میں گھر درکار تھا

بیان حقیقت

غبار ہو گئے پھر آسی سرگشتہ آوارہ!
جنون عشق سے ممکن نہیں چھٹکارا!!

وہ تیغ حسن تو دشمن نہیں کسی کی مگر
جو آپ کی گلا ریتے کوئی کیا چارا!!

وہ جلوہ شعلہ تو میں کاہ ناتواں اے قیس
تجھے فراق نے مجھکو وصال نے مارا

سلوک راہ وفا میں فنا کی طور ہیں اور
جو آپ مار کے تیشہ مرا تو جھک مارا

نہ پوچھو حالت دل اس غریق حسرت کی
دکھائی دے جسے ایک ایک قطرہ میں دریا

تمہاری دید قیامت نہیں تو پھر کیا ہے
کہ مجھکو نور خدا کا ہے آج منظر آرا

حقیقت دل بیتاب سوز غم میں نہ پوچھ
منظر پڑا ہے کہیں مجھکو آگ پر پارا

فراق یار کی طاقت نہیں وصال محال
کہ اوسکی ہوتی ہوئے ہم ہوں یہ کہاں یارا

اگر بیان حقیقت نہ ہو مجاز کے ساتھ
تو شعر لغو ہے آسی کلام ناکارا

تمنائے عشق

سجدۂ در جو تمہارا نہ میسر ہوتا
وہی ہم ہوتے، وہی سر وہی پتھر ہوتا

خیر آجاتی قیامت تو قیامت ہی سہی
دیکھ لینا تو کسی طرح میسر ہوتا

کاش آکر وہ لپٹ جاتی مری میت سے
نالۂ شرمندہ نہ سینے سے نکلکر ہوتا

عشق غارت ہو کہیں، مار ہی ڈالا ہوتا
نقد جان دیکے تو اک بوسہ میسر ہوتا

مر گیا آسی دلگیر بھی الفاظ میں
عمر عشق سے کوئی بھی تو جاں بر ہوتا

میخانۂ دل

خوشبو وہی رنگت وہی ہستی بھی اوسیکی
کعبے میں بھی دور مئے میخانۂ دل تھا

اسرار ترے معدن انوار تھے جس میں
مسجد تھی، نہ کعبہ، وہ نہاں خانۂ دل تھا

ہر موج نفس سینے میں اک قلزم خوں ہے
کیا میری تصور میں کچھ افسانۂ دل تھا

آسی نے بجز تیری جہاں کچھ بھی نہ دیکھا
وہ عالم ہو گوشۂ ویرانۂ دل تھا

طراز گنج اسرار

جمال اوسکا ہے آب زندگانی
مگر جینا ہوا مشکل ہمارا

یہ گرمی آتش دوزخ میں کیسی
کوئی نالہ ہوا شامل ہمارا

کبھی ڈھونڈا بھی تو نے ہمکو آخر
دل ہر ذرہ ہے محمل ہمارا

نہ جانا کچھ طراز گنج اسرار
امانت دار تھا جاہل ہمارا

محیط رنگ نیرنگ فنا ہیں
جمال دوست ہے حاصل ہمارا

اونہیں کی چہرہ تھی اس رنگ میں بھی
خیال خیر تھا باطل ہمارا

محیط جلوۂ بے رنگ ہی دل
کہیں پیدا نہیں ساحل ہمارا

طلب اونکی ہے ہمیں ہم گرد اپنے
جنون عشق ہے کامل ہمارا

بیان ماضی

بڑھ کی شہ رگ سے گلے ملنے کو وہ آمادہ تھا
ہائے اے وہم غلط کتنا میں دور افتادہ تھا!

وہ دلِ سوزاں کے ٹکڑے آنسوؤں سے ہائے!
صاف پلکوں پر گمانِ کاہِ آتش دادہ تھا

حال دل کیا اوس سے کہتا دل ہی میں جسکا مگر
گونہ سوائی ہو عاشق پھر بھی کتنا سادہ تھا

دل کہاں تھا جذب دل پر میں جو کرتا اعتماد
میں تو اک دل سوختہ دل باختہ دل دادہ تھا

توڑنا مینائے مے کا دل شکن کیونکر نہو
محتسب کو کیا ہوا تھا میں تو مست بادہ تھا

تلخ کام ہجر کا کیا پوچھتے ہو حال اب
رات شاید زہر کھانے کیلئے آمادہ تھا

سجدۂ جوش ندامت بھی کرامت ہو گیا
موجِ آبِ گریۂ غم پر رواں سجادہ تھا

دل ترا صد پارہ کیوں اے شانۂ زلفِ صنم!
میرے صدموں کا بھلا کیا میں تو دو افتادہ تھا

جوش اثر

دیکھنا جانب گردوں تو ترے نالاں کا
ہائے کیا جوش اثر حسرتِ تاثیر میں تھا

نالۂ عرش فگن کا بھی مزا اب سے چکے
کر چکا بس جو مزاج فلک پیر میں تھا

ہاں پھر اے واعظ مشفق میرے تقصیر معاف!
دھیان دوزخ کے گلزگشت خرابیر میں تھا

دے فشار لحدی یاد ہم آغوشی یار
خواب میں آرام نہ اب بھی میرے تقدیر میں تھا

سجن مومن کے یہ معنی ہیں کہ تا قید حیات
پاؤں زنجیر میں دل زلف گرہ گیر میں تھا

تا دم مرگ نہ آسی کو میسر ہو وصال
کیا یہی طالع بد بخت جواں میر میں تھا

قصۂ ماضی

غیر موسی کو نہ ہم وادی ایمن میں تھا
چور وہ بھی نشۂ صہبائے مرد افگن میں تھا

اس تمنا میں کہ شاید انکے دل تک راہ ہو
اس عداوت پر بھی میں سرگرم دل دشمن میں تھا

خون ناحق گردنوں پر کیوں لیا منصور کا
مدعی قول انا الحق کا رگ گردن میں تھا

ہائے وہ جلوہ وہ انداز ہجوم اہل دید!
ایک عالم سی زار گویا دل کے ہر روزن میں تھا

کون ہو منت کش تدبیر اے وقت شعور!
کیا نہیں اب وہ جو ضامن ترقی کا بچپن میں تھا!

جو نہ اٹھے آسماں سے اٹھالیں ہم وہ بوجھ
کیا وہ قوت سر میں تھی کیا زور ڈگر دن میں تھا

یارب انصاف ستم اونکا شب غم تھا ضرور
شور محشر نالہ ہائے آسماں افگن میں تھا

کس کے پیکان دل افزا کا سیا تھا اس نے زخم
جوش آب زندگانی چشمۂ سوزن میں تھا

سچ جو یہ شہرت نہ تھی آسی کہ مرنا ہو وصال
کیوں قرار آیا تجھے مدفن میں [illegible]

محنتِ طلب

شانِ کرم تھی یہ بھی اگر وہ جدا ہوا
کیا محنتِ طلب میں نہ حاصل مرا ہوا

میں اور کوئے عشق، میری اور یہ نصیب
ذوقِ فنا خضر کی طرح رہ نما ہوا

شایانِ درگذر ہے اگر اضطراب میں
جرمِ درازدستیٔ ذوقِ دعا ہوا

اوس کا پتہ کسی سے نہ پوچھو بڑھے چلو
فتنہ کسی گلی میں تو ہوگا اوٹھا ہوا

اتنا تو جانتے ہیں کہ عاشق فنا ہوا
اور اس سے آگے بڑھ کے خدا جانے کیا ہوا

پہچانتا وہ اب نہیں دشمن کو دوست سے
کس قید سے اسیرِ محبت رہا ہوا

سرِّ حقیقت

پوچھتے ہو کہ سرِّ وحدت کیا!
ماسوا کی بھلا حقیقت کیا!

واعظو اوسکو دیکھ لو پہلے
پھر کہو حور کیا ہے جنت کیا!

نقدِ ہستی نثارِ یار کرے
یہ نہیں ہے تو پھر محبت کیا!

عاشقی میں ہے محویت درکار
راحتِ وصل و رنجِ فرقت کیا!

نہ گرے اوس نگاہ سے کوئی
اور افتاد و کیا مصیبت کیا!

اور ہمت بلند کر اے شیخ — طمع و خوف کی ریاضت کیا!
اوس سے مل جو ہمیشہ ساتھ رہے — بیوفاؤں سے لطف صحبت کیا!
ملنے والوں سے راہ پیدا کر — اوسکے ملنے کی اور صورت کیا!
آسی مست کا کلام سنو — وعظ کیا پند کیا نصیحت کیا!

نتیجۂ الفت

جز فنا راہ رہائی نہ اوسے ہاتھ آئی — جو ترے دام محبت میں گرفتار ہوا
آپ بھیجا مجھے اور آپ بلایا تم نے — بار احسان سے کسی کی نہ گرانبار ہوا
ہمت اوسکی ہے دل اوسکا ہے جگر اوسکا ہے — جان کو بیچ کے تیرا جو خریدار ہوا
بک گئے روز ازل پیر خرابات کے ہاتھ — ہم ہوئے تم ہوئے یا آسی میخوار ہوا

حدیث نفس

ہم نہیں جانتے قیامت کیا! — آج اگر تم ملو قباحت کیا؟
کوئی تیرے سوا کہیں ہے بھی — بدگمانی کی مجھ سے علت کیا!
بس تمہاری طرف سے جو کچھ ہو — میری سعی اور میری ہمت کیا!

جاتے ہو جاؤ ہم بھی رخصت ہیں — ہجر میں زندگی کی مدت کیا

جن میں جرچا نہ کچھ تمہارا ہو — ایسے احباب ایسی صحبت کیا

یوں ملوں تم سے میں کہ میں بھی نہ دل — دوسرا جب ہوا تو خلوت کیا

گوشہ گیری حدیث نفس کیساتھ! — دل ہی مجمع میں ہے تو عزلت کیا

مستثنیات الفت

بدرقہ راہ طلب میں نہیں ہمت کے سوا — رہبر کوئی نہیں جوش محبت کے سوا

اور کیا چاہتی ہے آرزوی دل اون سے — کچھ نہیں حسن کی سرکار میں حسرت کے سوا

کچھ خبر کوچہ جاناں کی بھی ہے اے واعظ — عشق بازوں کی ہے جنت تری جنت کے سوا

نظر و ناظر و منظور نہ جب ایک ہوئے — کیا ملا روز قیامت میں ندامت کے سوا

تابع خواہش محبوب ہو خواہش جسکی — رنج پاس اوسکو نہ لائے کبھی راحت کے سوا

حسن صورت کے لئے خوبی سیرت ہے ضرور — گل وہی جس میں کہ خوشبو بھی ہو رنگت کے سوا

پوچھتے ہو شہ جیلاں کے فضائل آہی
ہر فضیلت کے وہ جامع ہیں نبوت کے سوا

گفتار مصطفےٰ

ای دل تو فرش رہ ہو کہ آخر خیال نے — کھینچی شبیہ جلوۂ رفتار مصطفےٰ!
جل بہن کے خاک ہو مرے دل میں اے غیر — اے آبروے شعلہ رخسار مصطفےٰ!
ممکن نہیں کہ شاہد وحدت ہو جلوہ گر — جب آنکھوں پر ہو پردۂ انکار مصطفےٰ!
پہر ہمسری کسی کی کہاں اب خوش آتی ہے — اپنا ظہور خاص ہے اظہار مصطفےٰ!
قابل درود پڑہنے کی ہیں اسکی پیچھے — آسی ہے بلبل گل رخسار مصطفےٰ!

خرام جلوہ

اوسی کے جلوے تہے لیکن وصال یار نہ تھا — میں اسکی واسطے کسوقت بیقرار نہ تھا!
خرام جلوہ کی نقش قدم تہے لالہ و گل — کچھ اور اس کے سوا موسم بہار نہ تہا
وفور بیخودی بزم مے نہ پوچھو رات — کوئی بجز نگہہ یار ہوشیار نہ تہا
وہ کون نالۂ دل تہا قفس میں اے صیاد — کہ مثل تیر نظر آسماں شکار نہ تہا!

تو محو گلبن و گلزار ہو گیا آسی
تری نظر میں جمال خیال یار نہ تہا

نیازِ عشق

غمزے ہیں جس میں حُسن کے عشق ہی اوس نگاہ کا
چوٹ ہی جس میں عشق کی حُسن ہی میرے یار کا

گردن جان جھکائے ہی کس لئے ہر نیا بہت
موت بھی کوئی وار ہے خنجر ناز یار کا

محشرِ وعدہ آ ابھی بات ہے اس میں بھید کی
خون تو اپنے سر نہ لے کشتۂ انتظار کا

خوش گھروں کو پیسکر گردش آسیائے چرخ
سرمہ بناتی رہتی ہے دیدۂ اعتبار کا

ڈھانی تھی جائے قصر چرخ ہستی غیر کی بنا
کشتۂ امتیاز ہوں دیدۂ اشکبار کا

دل کی کشود ہوتے ہی جلوۂ بے حجاب تھا
دل سے بھی تنگ تھا برقعِ روئے یار کا

آہی نامراد پر ہے وہی جلوہ جس سے ہی
مطلعِ آفتاب حشر ذرہ مرے غبار کا

عہدِ عشق

درد دل لطف زندگانی ہے — غم سبب عیش جاودانی کا
نہ نمک عشق کا نہ زخمی دل — کچھ نہ پایا مزا جوانی کا
غیر کا اب گذر نہیں دل تک — عشق عہدہ ہے پاسبانی کا
دہن تنگ یار کا حلقہ — دور ہے جام لن ترانی کا
آبرو ہو جو دل میں رقت ہو — دیکھ ہوتی ہے قطرہ پانی کا!
ہم تو آسی اونہیں بلا لائیں — کیا ہے سامان میہمانی کا

تصویر آب

گلوئے خشک خواہاں ہے دم تکبیر پانی کا — ذبیحے سے نہ کر بخل اے دم شمشیر پانی کا
مری کشت امل پر ابر رحمت ہو اگر برسے — تو بجلی سے اثر بدلے میری تقدیر پانی کا
ہو اچھا تیقت خود بخود سرسبز رہتا ہے — نہیں محتاج نخل گلشن تصویر پانی کا
مقدر میں ہو یوں سب کچھ مگر تدبیر لازم ہے — کہ اک قطرہ نہیں ملتا ہے بے تدبیر پانی کا
کسی سائل کو کیا پھیری جو خود در ذات سائل ہو — لگا یہ دل میں آکر شعلہ تقریر پانی کا
ہم اپنی تشنہ کامی کی شکایت کیا کریں آسی — گیا شاکی گلوئے حضرت شبیر پانی کا

حدِّ حیرت

لالہ و گُل کا یہ دیوانہ تماشائی نہ تھا
باغ میں ہر پھول تیری حُسن کا آئینہ تھا

حُسن پھر کس کام کا جب چاہنے والا نہ ہو؟
سچ ہے تجھ سے دلربا کو لطف تنہائی نہ تھا

حدِّ حیرت دیکھتا تھا اپنی آرائش کے ساتھ
آئینہ خانہ میں وہ محوِ خود آرائی نہ تھا

شرط تھا راہِ طلب میں آبلہ فرسا قدم
بے سبب نالوں کو ذوقِ چرخ فرسائی نہ تھا

رو کے اُس سے پوچھتا تھا "کب قیامت آئیگی"
کس طرح کہئے کہ وہ تیرا تمنائی نہ تھا

دانۂ تحریر

نہیں رہتا ہی بے پہونچے ہوئے تقدیر کا دانا
لبِ سوفاتک پہونچا دل نخچیر کا دانا

"جو دانا ہی تو دیوانوں کے قدم سے لیٹا"
مسلسل یہ صدا دیتا ہے ہر زنجیر کا دانا

حقیقت دار کے اوصاف کیا ہوں بے حقیقت ہیں
کہاں ہی قابلِ نشو و نما تصویر کا دانا

بسانِ آسیا پائے توکل کو کمر شرمی
کہ منھ میں آرہیگا خود بخود تقدیر کا دانا

مزا کیا جبکہ دانے کیلئے کی آبریزی
ہمیشہ مجھکو دینا اے خدا توفیر کا دانا

کبھی تدبیر سے غیر از مقدر مل نہیں سکتا
جو ہی تقدیر کا دانا وہ ہے تدبیر کا دانا

کتابت پیشہ کی روزی بھی کیا موہوم ہوتی ہے
سوائے نقطہ کیا ہے خامۂ تحریر کا دانا

غمِ الفت

خارِ خارِ غمِ الفت کی اگر حد ہوتی
روکشِ وادیِ مجنوں مرا گھر ہوتا

دل ہی سینے میں نہیں کون کرے بیتابی
لاکھ صدمے دو مجھے میں نہیں مضطر ہوتا

چشمۂ خور میں نہ کیوں محو ہو اشکِ جاب
ایک ذرہ نہ تری حکم سے باہر ہوتا

عرش پر کہئے تو اثبات مکاں ہوتا ہے
کیا فلک بھی میرے سینے کے برابر ہوتا

چاہنا تھا کسی خوش چشم کو اے حسرتِ زخم
موئے مژگان رگِ جاں کے لئے نشتر ہوتا

مژدۂ حسنِ قبول

ہم تو ڈرتے تھے کہ دہر حکمِ قضا نے بھیجا
باری اے بت تیری کوچے میں خدا نے بھیجا

موقعۂ کسبِ کمالات وہاں کس کو ملا
وہی اچھے جنہیں دنیا میں خدا نے بھیجا

خرقۂ فقر کے رتبے عرفا سے پوچھو
یہ وہ جامہ ہے جسے آلِ عبا نے بھیجا

عاقبت بیں وہ نہیں جنکی فلک پر ہیں دماغ
خاک میں ملنے کو دنیا میں خدا نے بھیجا

تیری کوچے میں جسے ہو ہوسِ حور و قصور
کس جہنم میں اوسے حرص ہوا نے بھیجا

شام سے تا بہ سحر دیکھے ڈھئی اوس در پر
مژدۂ حسنِ قبول اپنی دعا نے بھیجا

آسمانِ نامہ سیہ لائق دوزخ بھی نہ تھا
نامہ بر ایا الفت شاہ شہدا نے بھیجا

تلخیٔ تقدیر

توبہ سے بڑھ کے ذوقِ لبِ لالہ گوں ہوا
مینائے مے میرے لئے مینائے خوں ہوا

میں اور زہر تلخیٔ تقریرِ پند گو
اے دوست تو ہی دشمنِ صبر و سکوں ہوا

یوں دل سے گھر کو چھوڑ کے ہوئی بہار جاتے ہو
کیا ظلم تم پہ اے مرے صبر و سکوں ہوا!

لاکھوں ہی آرزوئیں تھیں جو ذبح ہو گئیں
صبحِ شبِ وصال بڑا کشتۂ خوں ہوا

ناوک فگن کی چشمِ توجہ کہاں نصیب
سینے میں دل بھی حسرتِ صیدِ زبوں ہوا

فرہاد میری راہِ طلب کی صعوبتیں!!
ایک ایک سنگریزہ یہاں بے ستوں ہوا

رنگِ شفق سے نوکِ مژہ کا مقابلہ!
گویا کہ آسمان بھی دریائے خوں ہوا

ممنونِ خاک سجدۂ ہوں سے وعدہ گاہِ دید
داغِ جبینِ خضر کی طرح رہ نمون ہوا

ذلت اگر دلیلِ کمالاتِ عشق ہے
آسی سے بڑھ کے کون ذلیل و زبوں ہوا

خرمنِ حاصل

پسند آئے تو لیلو دل ہمارا
مگر دل پھر بھی کس قابل ہمارا

نہیں ہوتا کہ بڑھ کر ہاتھ رکھ دیں
تڑپتا دیکھتے ہیں دل ہمارا

دلِ گردوں سے لیکر تا دلِ دوست
گیا نالہ کئی منزل ہمارا

متاعِ گرمیٔ بازارِ جاں ہے — وہ برقِ خرمنِ حاصل ہمارا
وہ کاش اتنا قیامت میں تو پوچھیں — کہاں ہے آسیؔ بیدل ہمارا؟

سراپا اضطراب

اہلِ ہمت کا کبھی بیجا نہ دیکھا اضطراب — زندگانی ہے برائے موجِ دریا اضطراب
بعدِ مردن ہو تو ہو اے پند گو یہ تجربہ — عشق بازوں کا سکوں اچھا کہ اچھا اضطراب
اضطرابِ کلفتِ ناکامیٔ دلِ آرزو — موجۂ طوفانِ زہرِ آبِ تمنّا اضطراب
کیا امیدِ زندگی اب آسیؔ بیتاب کی — جانگسل آزارِ الفت روحِ فرسا اضطراب

کیا ہمیں چلنا نہیں ہے جانبِ ملکِ عدم — دم تو لے لے اے شرارِ جستۂ اتنا اضطراب!!
حشر کا میدان اور اس میں ان کا دیدہ جو — وہ سراسر فتنہ یارب یہ سراپا اضطراب

شبہائے عشق

رات ہے رات تو بس مرد خوش اوقات کی رات — گریۂ شوق کی یا ذوقِ ملاقات کی رات
تندیٔ بادۂ جلوہ میں ہے روزِ محشر — ہم گدایانِ درِ پیرِ خرابات کی رات

کچھ ہمیں سمجھینگے یا روز قیامت والے
جسطرح کٹتی ہے امید ملاقات کی رات

گریۂ غم ہے کہ ساون کی جھڑی تار صبح
کوئی موسم ہو یہاں رہتی ہے برسات کی رات

شب دیجور ہے یا ظلمت ایام فراق
کیا لکھی تھی میری تقدیر میں ظلمات کی رات

سخت دشوار تھی معشوق و عاشق کی شناخت
وصل کی رات نہ تھی تھی وہ طلسمات کی رات

وقت وقت کی جھگڑے ہیں جو وعدہ
دن ستاروں کی فنا تھی ہے ذرات کی رات

اب تو پھولے نہ سمائینگے کفن میں آسی
ہے شب گور بھی اُس گل کی ملاقات کی رات

بیانِ غم

وہاں پہونچکے یہ کہنا صبا سلام کے بعد
کہ تیرے نام کی رٹ ہے خدا کے نام کے بعد

گناہ گار کی سُن لی تو صاف صاف یہ ہے
کہ لطف و رحم و کرم کیا پھر انتقام کے بعد

شب وصال بیان غم جدائی کیا
فضول ہے گلۂ رنج التیام کے بعد

ابھی تو دیکھتے ہیں ظرف بادہ خواروں کا
سبو و خم کی بھی ٹھیریگی دور جام کے بعد

طلب تمام ہو مطلوب کی اگر حد ہو
لگا ہوا ہے یہاں کوچ ہر مقام کے بعد

الٰہی آسی بیتاب کس سے چھوٹا ہے
کہ خط میں روز قیامت لکھا نام کے بعد

افکار آسی

نہ میرے دل نہ جگر پر نہ دیدۂ تر پر
کرم کرے وہ نشانِ قدم تو پتھر پر

صلاحیت بھی تو پیدا کر اے دلِ مضطر
پڑا ہے نقشِ کفِ پائے یار پتھر پر

تمھاری حسن کی تصویر کوئی کیا کھینچے
نظر ٹھہرتی نہیں عارضِ منور پر

کسی نے لی رہِ کعبہ کوئی گیا سوئے دیر
پڑی رہے تری بندے مگر ترے در پر

پلا دے آج کہ مرتے ہیں رندِ ساقی
ضرور کیا کہ یہ جلسہ ہو آب کوثر پر

ان ابروؤں سے کہو کشتنی میں جان ہے
اسی کے واسطے خنجر کھینچا ہے خنجر پر!

اخیر وقت ہے آسی چلو مدینے کو
نثار ہو کے مرو تربتِ پیمبر پر

کشفِ حقیقت

(غزل مشاعرہ)

بلندی اوسکی اوسی کی پستی ہر ایک شئے میں اوسی کی ہستی
عروج اوسی کا رسول ہو کر نزول اوسی کا کتاب ہو کر
وہ جسم تھا یا کوئی گل تر شمیم جس کی وہ روح پرور
جدھر سے گذرے بسا وہ [illegible]

بچھا کے دام فریب پیری کسی کو بے ذوق کر دیا ہے
کسی کو بلبل بنا لیا ہے، بہار باغ شباب ہو کر
شگوفہ تھا دل کی بے کلی کا لطیفہ تھا بس وہ عاشقی کا
ادھر سے نکلا سوال ہو کر ادھر سے آیا جواب ہو کر
میں دل سے اوس شیخ کا ہوں قائل جو میکدے میں پڑے ہے تہجد
لگائے مسجد میں نعرے ہو حق کے محو دور شراب ہو کر

فلسفۂ حقیقت

وہی جو مستوی عرش ہے خدا ہو کر
اوتر پڑا ہے مدینے میں مصطفےٰ ہو کر
بجز تمہارے کسی کا وجود ہو یہ محال
مگر تمہیں نظر آتے ہو ماسوا ہو کر
نہ پوچھو تندی و تیزی محبت کی
جسے یہ نشہ چڑھا رہ گیا فنا ہو کر
میرا سفینہ تلاطم میں بحر عشق کے ہے
مزا تو جب ہی خدا آئے ناخدا ہو کر

آتش زار

ہم اور خموش اے قیامت
گرمی جلوے کی ہے فغان سے

خود شعلہ ہے ساز سوزِ شعلہ — کیوں جوشِ فغاں نہو فغاں سوز
اوس خلوتِ راز کے طلسمات! — جو راز کہلا وہ راز دان سوز
بلبل ہے کہ آسمانِ اندوہ! — نالہ ہے کہ برق آشیان سوز!
وہ جان نزار آسی زار — وہ تاب گداز غم توان سوز

جوشِ طلب

(غزلِ مشاعرہ)

اوس سے مانگا بھی اگر کچھ تو اوسی کو مانگا — دیکھنا حوصلۂ ہمتِ سائل کیطرف
زور ہے جوشِ طلب کا کہ اوسی کی ہے کشش — خود بخود پاؤں اُٹھے جاتے ہیں منزل کیطرف
ترکِ دنیا تو ہے دنیا طلبی سے آساں — چھوڑ کر سہل عبث جاتے ہیں مشکل کیطرف
نسبتِ شرک بحر تہمتِ بیجا کیا ہے — دل ہے جب اُسکی طرف رخ ہے دو سائل کیطرف

کون اس گھاٹ سے اترا کہ جنابِ آسی
بوسہ لینے کو جھکے ہیں لبِ ساحل کیطرف

ایک عالم ہے کہ مقتل میں ہے قاتل کیطرف — دھار خنجر کی فقط عاشقِ بیدل کیطرف
ہائے تم نالۂ پُر درد ہمارا نہ سنو — گوشِ گل ہے ہمہ تن شورِ عنادل کیطرف

گنج مخفی

لب بلب آج تجھے تیرے مستانے کی خاک
خوب پہچان اے بت مے نوش پیمانے کی خاک

اب ذرا دامن اوٹھا اے نگاہِ شمع رو
شعلہ زار سوز غم ہے تیری پروانے کی خاک

تیری ہی جلوے تھے جب توڑا بتِ پندار کو
لاکھ کعبے کا ہیولا ایک بتخانے کی خاک

ایکہ گوئی "تابش ہر ذرہ از تاب خود است"
مطلع نور خدا ہے ہر صنم خانے کی خاک

تا سحر وہ بھی نچھوڑی تو نے اے باد صبا
یادگار رونق محفل تھی پروانے کی خاک

بوالہوس تجھکو اگر تھی گنج مخفی کی تلاش
چھانتی تھی مثل آسی دلکے ویرانے کی خاک

افسانۂ دل

دلبر کو ملنے کی جو ہوس ہے تو دلکو ڈھونڈھ
راہ وصال یار ہے ذوق لقائے دل

دلبر کسی کو سمجھے تھے دشمن کسی کو ہم
دیکھا جو غور سے تو نہ تھا کچھ سوائے دل

کچھ بھی نہ آرزو ہو یہ ہے دل کی آرزو
کوئی نہ مدعا ہو یہ ہے مدعائے دل

مانگوں جو میں بہشت تو دوزخ نصیب ہو
تیرے سوا ہو کچھ بھی اگر مدعائے دل

سوگند ہے دلوں کی تجھے اے خدائے دل
دیدار ہو کچھ سبھی تو نہ دینا سوائے دل

افکارِ دلنشین

اللہ رے نورِ سجدۂ شوق — مہ رو تم ہو تو مہ جبیں ہم
دشمن سے بھی بوے دوست آئی — کس سے کہینگے بعض و کیں ہم
آباد کر دو بھی خانۂ دل — اچھا نہیں تم کہیں کہیں ہم
کہتے ہو کہ "ہم کو کس نے ڈھونڈھا — جو ڈھونڈ رہے جہاں ملیں ہیں ہم"
آسی بھی نہ کر سکیں گے انکار — باتیں کہتے ہیں دل نشیں ہم

شکوۂ الفت

انکو کس منھ سے میں نظارگی دوست کہوں — صورت آئینہ جن آنکھوں کو حیرت بھی نہیں
کسطرح کہئے کہ دیدار دکھایا اُس نے — باغ جنت بھی نہیں روز قیامت بھی نہیں
اوسکے کوچے میں کہاں کشمکش بیم و رجا — خوف دوزخ بھی نہیں خواہش جنت بھی نہیں
جذب کامل سے اوسی کہیں چلو تم ہی آسی — کیسے درویش ہو کچھ تم میں کرامت بھی نہیں

قوانین عمل

نہ کر ترکِ [illegible] ہرگز کہ اکثر دیکھا ہے [illegible]
[illegible] آئینہ [illegible] میں

جو حب زر ہو اسے دو مغز الفت سے کنارا کر
حباب بحر کو خالی ہی دیکھا آشنائی میں

قدم رکھ سالک راہ طلب کا اپنی آنکھوں پر
بسان نقش پا کامل اگر ہو رہنمائی میں

مٹا دیکھو گے دم بھر میں نشان ہستی بھی
حباب آسا جو کھلجائینگی آنکھیں آشنائی میں

برا کیوں مانیں ہم جو بہیں جا ہو شوق سے بلو
ہماری ہی نمائش ہے تمھاری خود نمائی میں

یہ بیہوشی کہانکی اے شب غم صورت موسیٰ
مگر کیف مئے دیدار ہے رنج جدائی میں

عدو کو بھی ہماری طرح دو بیدل کریں یارب
خدا نا کردہ کیوں فرق آئے دلربائی میں

معانیٔ عشق

یار سے کہئے کہ فرقت ہے تو فرقت بھی نہیں
اور نسبت میں ہے تمیز تو وصلت بھی نہیں

اے تمنائے مے عیش یہ میخانۂ دہر
جائے دور مے رنگینی صحبت بھی نہیں

خاک بیزی رہ عشق میں یہ بات ہے
جسکو ذلت نہیں اسکو کبھی عزت بھی نہیں

عین معنی ہے قول عاشق معنی جو ہوا
ہائے وہ لوگ جو دلدادۂ صورت بھی نہیں

زبان حباب

حباب بحر یہ کہتے ہوئے اوپر ابھرتے ہیں
فنا دم بھر میں ہیں دم آشنائی کا جو بھرتے ہیں

ہوا دیکھیں اور ہم میں آفتاب و شمع کا عالم
وہ جب تک آئے آپ دنیا سے گذرتے ہیں

تنک ظرفی عدو ہستی فانی ہے دیکھ اے دل!
ہزاروں بلبلے دو رات پانی پر ابھرتے ہیں

کسی کشتی نشیں کی راہ تکتے ہیں مگر یہ بھی
سراپا چشم ہو کر کیوں حباب اوبھرتے ہیں

ذکر لسانی

غم دلبر کے سوا کچھ نہیں اصلا دل میں
جسکو خالی کروں غم ہی نہیں اسا دل میں

میں کروں دعوی اخلاص وفا ای توبہ
سر میں سوائے ارم الفت دنیا دل میں

سوی دشت ایکقدم ایک ہی گھر کیطرف
سر میں سودا ہے تو ملنے کی تمنا دل میں

کیمیا گر وہی درویش ہے میرے نزدیک
ہوس زر کو کرے خوب جو کشتا دل میں

نور کے واسطے ظلمت ہے مقدم شاید
پتلیاں آنکھوں میں ہیں اور سویدا دل میں

طے کسی نے نہ کیا ذکر لسانی سے سلوک
صورت رشتۂ سبحہ ہے یہ ہمتا دل میں

کل یوم ہو فی شان کی نیرنگی ہے
دیکھ تو کیا نظر آتا ہے تماشا دل میں

کار امروز بفردا مگذار اے آسی
آج ہی چاہیے اندیشۂ فردا دل میں

حسن تعلیل

حیا جنکو خدا نے دی بگڑنے میں سنورتی ہیں
ابھی غیرت سے رنگ اُڑتے نہیں چہرے نکھرتے ہیں

زبانِ خنجر پر آب قاتل سے منا ہم نے
مسافر قلزم غم کے اجل کی گھاٹ اترتے ہیں

جرس کیطرح نالاں ہیں نہیں اپنی سنتے کوئی
جو سالک ہیں وہ روزے رکھکے یہ راہ کرتے ہیں

وہ کیا صدمے ہیں جو ندیدہ کر دیتے ہیں اک اک کو
برنگ اشک ہم یاروں کی آنکھوں سے گزرتے ہیں

بہت گردش سے بھی پھر جاتی ہے آئی ہوئی نہیں
یہی پھر پھر کے سنگ آسیا فریاد کرتے ہیں

خواہش عشق

خدا سے ترا چاہنا چاہتا ہوں
مرا چاہنا دیکھ کیا چاہتا ہوں

تری کوچہ کا رہنما چاہتا ہوں
مگر غیر کا نقش پا چاہتا ہوں

کہاں رنگ وحدت کہاں ذوق الفت
میں اپنے کو تجھ سے جدا چاہتا ہوں

برابر رہی حد یار و محبت
کسیکو میں بے انتہا چاہتا ہوں

سوا اسکے میں کیا کہوں تم سے آسی
کہ درویش ہو تم دعا چاہتا ہوں

جذبۂ دل

ایک جلوے کی ہوس وہ دمِ رحلت بھی نہیں
کچھ محبت نہیں ظالم تو مروت بھی نہیں

جو دیا تو نے وہ سب تیرے لئے کھو بیٹھے
شکر اسکا جو نہیں ہے تو شکایت بھی نہیں

زہد و تقویٰ و صلاح و ورع و حسنِ عمل
کچھ نہیں مجھ میں مگر کیا تری رحمت بھی نہیں؟

کبھی آسی سے ہم آغوش نہ دیکھا تجھکو
اثرِ جذبِ دلِ اہلِ محبت بھی نہیں

استفہامِ عشق

جائے حیرت ہے طلسمِ اتحادِ حسن و عشق
آئینہ جب دیکھتے ہیں ہم تجھے پاتے ہیں کیوں؟

آرزو یہ ہے تمہارا دامن آنکھوں سے لگے
کچھ سمجھتے ہو کہ ہم روتے ہوئے آتے ہیں کیوں

روزِ بازارِ جزا ہے اور خالی اپنا ہاتھ
جب سمجھنا تھا نہ کچھ آج پچھتاتے ہیں کیوں

تنگ نائے دہرِ فانی کوچۂ جاناں نہیں
قید خانے سے نکلتے پاؤں پھیلاتے ہیں کیوں

عرضِ عشق

ہوں گنہگار مگر حسرتِ دیدار نہ پوچھ
جلوہ تیرا ہو تو دوزخ بھی ہو جنت مجھکو

نورِ خورشید ستاروں کو مٹا دیتا ہے
تم ہو پہلو میں تو محفل بھی ہو خلوت مجھکو

بے حجابی کبھی ممکن نہیں جب تک ہوں میں
خلل انداز ہوں کر دیجئے رخصت مجھکو

اب تو دیدار دکھا دیجئے تقصیر معاف
ہو گیا وعدۂ فردا بھی قیامت مجھکو

عشق میں کوہ کنی کوئی بڑی بات نہیں
پاؤ گے لجۂ بے ساحل ہمت مجھکو

حقیقت

عشق سے عشق محبت سے محبت مجھکو
اسقدر ذوق بلا شوق مصیبت مجھکو

میں بھی باطل مری ہستی بھی سراسر باطل
یہ نظر آئی انا الحق کی حقیقت مجھکو

وہ نہ بیباکیوں سے خوش نہ ہونا کی سے
ہو گئے غیر کے اعمال نصیحت مجھکو

گوئی محبوب سے کوئی بھی نکل سکتا ہے
اپنے اوہام ہوئے وادیٔ غربت مجھکو

کیا خبر تھی کہ انہیں کی میں کرشمے سارے
شکوۂ غیر کی ہے اُنسے ندامت مجھکو

"آب زندگانی"

دل پیر مغاں میں جا بنے ایدل تو گہر ہو
وہ ہے مے نوش جو نوز نگاہ چشم ساغر ہو

کوئی تو پی کے نکلیگا اوڑیگی کچھ تو بو منہ سے
در پیر مغاں پر مے پرستو چل کے دستر ہو

پھر صورت طلب لازم ہے آب زندگانی کی
اگر پایا خضر تم ہو نہیں پایا سکندر ہو

تمہاری ہی بدولت ہے یہ ساری زندگی مستی ۔ ڈر دن بھی ہو کہ تم ہو ہم ہوں دور جام کوثر ہو

استفہام نیاز

(غزل مشاعرہ)

تمہیں سچ سچ بتاؤ کون تھا شیریں کی صورت میں
کہ مشت خاک کی حسرت میں کوئی کوہ کن کیوں ہو!

کرشمہ کچھ نہ ہو اوس میں جو تیری چشم میگوں کا
شراب جلوۂ حسن عنب صوفی فگن کیوں ہو

خرام ناز بھی سرجوش برق طور ہے شاید
کسی کا نقش پا جام مے موسی فگن کیوں ہو!

نہ مشق پردہ داری ہو اگر بیتابیوں میں بھی
یہ درد دل نقاب جلوۂ عاشق فگن کیوں ہو

کسی پروانے کے جل بجھنے کا غم ہو جو اے آسی
نکل کر کوئی خلوت سے چراغ انجمن کیوں ہو

چاشنیٔ حسرت

صاف دیکھا ہے کہ غنچوں نے لہو تھوکا ہے
موسم گل میں الٰہی کوئی دل گیر نہ ہو

جسکو دیکھا اوسے چھاتی سے لگائے دیکھا
دل جسے کہتی ہے خلقت تری تصویر نہ ہو

ہائے اوس شخص کی قسمت جسے وہ روگ ملے
جز ترے ملنے کے جسکی کوئی تدبیر نہ ہو

حاصل صحبت غمناک بجز غم کیا ہے!
دل مرا لیتے ہو ڈرتا ہوں کہ دلگیر نہ ہو

کوئی جاناں سے ارادہ ہے نکل جانے کا
یا الٰہی کوئی جز موت گلوگیر نہ ہو!

جسنے منھ بند کیا رات میرے نالوں کا
لذت چاشنی حسرت تاثیر نہ ہو

سوال عشق

جان دو دن کی ہے مہمان ستاتی کیوں ہو؟
آپ روتی ہوئے آئی ہیں رولاتی کیوں ہو؟

ہم سیہ بخت ہیں اُٹھینگے دھوئیں کی صورت
دیکھو پھر روؤگے محفل سے اُٹھائے کیوں ہو!

ہم نہ تابوت عدو ہیں نہ رہ و رسم وفا
آپ اوٹھ جائینگے تم ہمکو اوٹھائے کیوں ہو؟

جیتے جی ہجر کے صدمے تو سونے نہ دیا
آج تربت میں مجھے آکے سلاتے کیوں ہو؟

دل ملا ہمکو ازل میں تو کسی نے نہ کہا
روگ ہے یہ اسے چھاتی سے لگائے کیوں ہو؟

خشک شے جھونکتے ہیں آگ میں شوخی یہ
لائے ہو اس تن خاکی کو جلانے کیوں ہو

معیار محبت

دل بے مدعا پایا جو دولت ہو تو ایسی ہو
خدا سے پھر نہ کچھ مانگا قناعت ہو تو ایسی ہو

فرشتے سر جھکائیں تیری سجدے کو تواضع سے
سُن اوسٹی کہ پتلے آدمیت ہو تو ایسی ہو

نہ دن بھر چین ملتا ہے نہ نیند آتی ہے راتوں کو
کسی کے حال پر اُنکی عنایت ہو تو ایسی ہو

تعجب ہے کہ تجھکو اپنے سینے میں نہ کیوں ڈھونڈھا
کسی کو اپنی ہستی سے جو غفلت ہو تو ایسی ہو

پکارا اوس نے اپنا نام لیکر رات آسی کو
نہیں اب کچھ بھی غیریت محبت ہو تو ایسی ہو

دید و سرشک

ہائے اک چاند کے ٹکڑے نے ستارونکی طرح
مدتوں شام سے تا صبح جگایا ہم کو

دیکھئے خاک میں ہم ملگئے مانند سرشک
آپ نے کس لئے آنکھوں سے گرایا ہمکو

لاغری میں تری صدقے کہ سمجھکر تنکا
پھر کہیں جب آنکھیں تو آنکھوں سے لگایا ہمکو

نالۂ حسرت

اسطرح درد سے لبریز جو تقریر نہ ہو
سخن آسی شیدا غزل پیر نہ ہو

ٹکڑے ہو کر جو ملی کوہ کن و مجنوں کو
کہیں میری ہی دبی ہوئی تقدیر نہ ہو

وہ بھی کچھ عشق ہی جو درد کی لذت نہ چکھو
وہ بھی نالہ ہے جو حسرت کش تاثیر نہ ہو

کارساز ایسی آسی کی دعا ہو تجھ سے
کام اوس کا کوئی منت کش تدبیر نہ ہو

کوزۂ عشق

کہیں کنارہ ہے اُسکے محیط ہمت کا
جو عین پیاس میں سمجھے سراب دریا کو

کہاں دل اور کہاں اُسکے حسن کا جلوہ
کیا ہے عشق نے کوزے میں بند دریا کو

کمی ہی جوش جنوں میں نہ پاؤں میں طاقت
کوئی نہیں جو اوٹھا لائے گھر میں صحرا کو

بہار خلد ہے اندھوں کیواسطے شاید
کہ کچھ نظر نہیں آتا ہے چشم بینا کو

عوض نہ چرخ سے شکل نہ بخت دشمن سے
مگر نہ کام میں دیکھوں جو کار فرما کو

ہماری حسن پرستی محل طعن نہیں
کہ چشم قیس سے دیکھا ہے روے لیلیٰ کو

میں سخت جاں نہیں جلا عشق نے ناحق
کیا شریک الم ہائے روح فرسا کو

ہم اپنے شکوؤں کی قوت سے بوالہوس ہٹ کے
کہ ہوش بحث کہاں عاشقان شیدا کو

محشر ہنگامۂ تمنا

ہوا کی رخ پہ ذرا آکے بیٹھ جا اے قیس
نسیم صبح نے چھیڑا ہے زلف لیلیٰ کو

تمام عمر کی تکلیف سے فراغت ہے
متاعِ بیش بہا جان جوش سودا کو

اگرچہ وعدۂ فردا ہے بے خلاف ضرور
مگر وہ چاہے تو امروز کر دے فردا کو

ہنوز تفرقۂ جلوہ کچھ نظر میں نہیں
پسند کیجئے کعبے کو یا کلیسا کو

ہمارے خانۂ دل کو اگر کیا برباد
کہیں جگہ نہ ملے گی تری تمنا کو

اگر قبول کرو جلوہ بے حجابانہ
دکھاؤں محشر ہنگامۂ تمنا کو

خبر تو لو کوئی آسی کو زندہ کس نے کیا
یہ معجزہ تو ملا تھا فقط مسیحا کو

معانی عشق

مجھے ہر طرح کی خود بینیوں سے کر دی بیگانہ
جو آئینہ بھی میں دیکھوں نمایاں تری صورت ہو

ہماری دید میں فہمید میں ہے ایسی یکرنگی
کہ صورت عین معنی اور معنی عین صورت ہو

نہ ستاری کو شرم آئے نہ غفاری کو غیرت ہو
قیامت میں ترا بندہ ترو آگر فضیحت ہو!!

کہیں اکسیر سے بڑھ کر ہے دولت خاکساری کی
جہاد نفس کا شاید یہی مالِ غنیمت ہو

خدنگ جلوہ

ہمت ہی تو راہ مختصر ہے — اے ننگ طلب بس اُٹھ کھڑا ہو
اللہ رے لذت شفاعت! — کیا جانو تم اسکو بے گنہ ہو
تدبیر خدنگ جلوہ کیا ہے؟ — دل تھامے ہوئے پڑے کراہو

کہتے ہو کہ اور کو نہ چاہو — معلوم ہوا کہ تم خدا ہو
اُن سے ملنا ہوا ہے مشکل — اے وہم عدو ترا بُرا ہو
تم اور دعائے مرگ عاشق! — کیا پھر وہ مرے جو مر چکا ہو!

طرز زیست

جو ہو سکے تو جئے اس طرح زمانے میں — کہ مر بھی جائے تو مرگ اوسکی زندگانی ہو

داغ غم

اے مثل شمع چشم نم کے ساتھ — جاتی ہیں رو دھو کے داغ غم کیسا تھ
مثل نے ہم عاشق نالاں بھی ہیں — نالہ دلکش ہے اپنا دم کیسا تھ

دستِ غم دستِ اجل سے کم نہیں　　دم نکلجاتا ہے ہر ماتم کے ساتھ

اسرارِ نہانی

نہ سنتے تم جو دشمن کی زبانی　　بہت دلچسپ تھی میری کہانی
بقا جس شے کو ہو وہ چاہتا ہوں　　سُن اے تیرے سوا سب کچھ فانی
کمالِ جلوہ ہے پردے سے بڑھکر　　بجا ہے یار تیری لن ترانی
علم کر خلد میں بھی خنجرِ ناز!　　تصدق ہے حیاتِ جاودانی
دلِ شوریدہ اور اُن سے مکدّر　　کہاں تک کہئے اسرارِ نہانی
ہزاروں حسرتیں آئینہ بھی تھیں　　غبار اُس قافلے کی ہے نشانی
بھلا آسی کی شکوؤں کا گلا کیا　　محبت کو ہے لازم بدگمانی

تدبیرِ عشق

جز فنا عشق کی تدبیر مقدر نہ ہوئی　　زندگی موت سے آخر کبھی جابر نہ ہوئی
ہائے مُنھ پھیر کے ظالم نے کیا کام تمام　　وصل تو وصل جدائی بھی میسر نہ ہوئی
غیر محبوب حجابِ رُخِ محبوب نہ تھا　　مجھ سے تدبیرِ علاجِ دلِ مضطر نہ ہوئی

تم نہ تھی ہم سے جدا ہم بھی جدا تم سے نہ تھی
نہ ہوئی پھر جو ملاقات تو کیونکر نہ ہوئی؟

سالک راہِ فنا مجھ سے تعلق کی نہ لے
جان کسکو غمِ محبوب میں دو پھر نہ ہوئی

زندگی کا نہ ادا خاک ہوا حق آسی
جان جب خاک رہِ آلِ پیمبر نہ ہوئی

عرضِ ہنر

خوفِ دوزخ نہ حرصِ جنت کی
بے غرض میں نے تجھ سے الفت کی

تجھ سے مل کر جو پھر بھی میں ہی رہا
مجھ سے دشمن نے کیوں محبت کی

پھر کہو گے کہ ہم نہیں بے رحم
آج دشمن نے بھی شکایت کی

عشق کا روگ ہے محبت خیز
غیر نے بھی مری نصیحت کی

ہم سے بیکل سے وعدۂ فردا
بات کرتے ہو تم قیامت کی

حشر میں کون پوچھتا ہے کسے
قہر ہے دید خوب صورت کی

نہ غزل ہے نہ اس میں عرضِ ہنر
بڑ ہے آسی یہ جوش وحشت کی

خاک کیا کم ہے اصل طینت کی
دل میں کیوں پھوٹ ہے کدورت کی

نہ ہوا جو وطن سے آوارہ — بو نہیں اوس میں آدمیت کی
روح فرسا شباب کا غم ہے — کہ جوانی میں اُسنے رحلت کی
جو گنہ کیجئے ثواب ہے آج — کیسی بارش ہے ابر رحمت کی

یا خدا اب تو جانِ زار کی خیر — آج پھر دردِ دل نے شدت کی
دیکھئے ٹوٹتا ہے دم کی نہیں — آزمائش ہے آج طاقت کی

ادراک حقیقت

جو حلقہ ہے حلقہ ہو وہ پاکان ازل کا — آزادی کونین ہے زنجیر ہماری
تم کیا ہوی قابو میں کہ قابو میں ہم آئے — تسخیر تمہاری ہوئی تسخیر ہماری
ہرگز حرکت اپنی ارادی سے نہ کرنا — چلتے ہیں تو جلاتی ہے زنجیر ہماری
پہچان لیا جلوہ گر خانۂ دل کو — آئینہ معمار ہے تعمیر ہماری
صورت میں پڑے جانکی اچھا ہو مصور — سنتے ہو جسے قیس ہے تصویر ہماری

آسی اگر ادراک حقیقت ہو میسر
ہے انفس و آفاق میں تاثیر ہماری

وہ اور جسے ہم سمجھے یہ تقدیر ہماری
کچھ اونکی خطا اسمیں نہ تقصیر ہماری

شاگرد ہے کسکا فلک پیر ستم میں؟
گردش میں تو استاد ہے تقدیر ہماری

دنیا میں اٹھالاتی ہے فردوس بریں کو
بدمستی صہبا و مزا میر ہماری

اعمال کی پرسش تجھے ہمکو یہ تفحص
رحمت تری بڑھ کر ہے کہ تقصیر ہماری

گلستان دل

آگئی وہ کہ پڑی جان دل بیجاں میں
اٹھ چلے وہ کہ ادھر ہوگئی رخصت دلکی

ہوگیا ناف سویدا گرہ چرخ کبود
سینہ تنگ میں اللہ یہ وسعت دلکی!

کوچۂ یار سے گھبرا کے نکلنا کیا تھا؟
دل کو شکوے ہیں مرے مجھکو شکایت دلکی

شب ہجر اسکے تصور کو جگہ دوں کس میں
بیدلی میں کبھی پڑ جاتی ہے عادت دلکی

دیکھئے آنکھوں میں جالی پڑے روتے روتے
اب تو چھن چھن کے نکلتی ہے کدورت دلکی

راستہ چھوڑ دیا اسنے ادھر کا اسی
کیوں نہ ہو رہ گذر یار میں تربت دل کی

طلسم حسن

ایک عالم کی طلسمات میں جی چھوٹ گیا
ہر ادائے نگہ یار نیا عالم ہے

کیوں نہ دی جان کسی پر کہ نہ پھر ہوتی
زندگی مفت گنوائی یہ بڑا ماتم ہے

عشق کہتا ہے کہ "عالم سے جدا ہو جاؤ"
حسن کہتا ہے "جدھر جاؤ نیا عالم ہے"

شعلہ زار سوز غم

کہتے ہو جان زار کو یہ مستعار ہے
دل پیشکش کروں تو کہو داغدار ہے

کیا چیز تیری نذر کروں ای رسول یار
اپنی تو زندگی بھی یہاں مستعار ہے

فانی ہے گردش فلکی بھی ہمارے ساتھ
ساری ہمیں سے دشمنی روزگار ہے

ای شمع ایک شعلہ ہی تجھ کو کیا تمام
ہر قطرۂ سرشک یہاں شعلہ زار ہے

ذوق ادا و ناز کہاں بے خودی کہاں
اب تو شراب وصل بھی کچھ ناگوار ہے

دشمن کو فکر کیوں میری صحت کی پڑ گئی!
ای درد عشق اب تو ترا اعتبار ہے

مانند آہ قبۂ گردوں سے چل نکل
ناحق اسیر کشمکش روزگار ہے

میخانے میں جو آئی ذرا سی فنا کی گھاٹ
شمشیر موج بادہ بہت آبدار ہے

مستی میں کوئی راز جو آئی سی فاش ہو
معذور ہے ابھی کہ نیا بادہ خوار ہے

پامال حسرت

پھولنے پھلنے سے کیا واقف عجب سبزہ کی طرح
اس چمن میں ہے فقط پامال ہونے کیلئے

قطرہ ہائے اشک حسرت کو نہ لا حاصل کہو
مزرع امید میں دانے ہیں بونے کیلئے

قافلہ منزل کو جا پہنچا مگر مثل غبار
رہ گئے ہیں ایک ہم برباد ہونے کیلئے

دم جو ٹوٹا عاشق بیمار کا آئی صدا
"ہائے کیا اُنسے ملے تھے جان کھونے کیلئے"

صبح دم دم توڑتی تھی اور یہ کہتی تھی شمع
"ہائے اس محفل میں ہم آئے تھے رونے کیلئے"

رنج و غم کے واسطے اسباب کی حاجت نہیں
آنکھ کب درکار ہے شبنم کو رونے کیلئے

چشم بصیرت

وہ کیا ہے ترا جسمیں جلوا نہیں ہے!
نہ دیکھے تجھے کوئی اندھا نہیں ہے

بصارت ملی ہے ان آنکھوں کو جب سے
سوا تیرے کچھ مینے دیکھا نہیں ہے

نہ آئینہ دکھلا تو اے قلب صافی!
تصور کسی کا ہے سکتا نہیں ہے

سمجھتے ہو جوش انا الحق کی موجیں
وہ قطرہ نہیں ہے وہ دریا نہیں ہے

کمال ظہور تجلی سے جانا
جو پنہاں نہیں ہے وہ پیدا نہیں ہے

وہ دل کیا جو دلبر کی صورت نہ پکڑے!
وہ مجنوں نہیں ہے جو لیلیٰ نہیں ہے

ہر اک طالب دین ہے طالب فنا کا　　کہ جب ہم نہیں آپ دنیا نہیں ہے

نالۂ اسیر

گل و گلشن سے کبھی جی نہ لگائے　　یہ صدا مرغ گرفتار کی ہے
ہائے وہ ہمنفسانِ گلشن　　یہ صدا مرغ گرفتار کی ہے
ہائے وہ گلبن و گلشن کی بہار　　یہ صدا مرغ گرفتار کی ہے
رشک گلشن ہوا الٰہی یہ قفس　　یہ صدا مرغ گرفتار کی ہے
نکہت گل نہ صبا بھی لائی　　یہ صدا مرغ گرفتار کی ہے

عرفانِ حقیقت

عداوت انتہائے دوستی ہے　　عدوئے جاں ہے میرا یار جانی
نہ سمجھا میں تو دشمن ہی سمجھتا　　محبت ہے خرابی کی نشانی
یہ دونوں ایک ہی ترکش کے ہیں تیر　　محبت اور مرگ ناگہانی
تسلی گل کے وعدے پر غضب ہے　　غم عشق اور اُمید زندگانی
بس اے سیلاب اشک چشم تر بس　　عناصر کی ہیں دیوار یہ پانی

انا الحق اور مشت خاک منصور ضرور اوسنے حقیقت اپنی جانی

حسرت شفاعت

عجب حسرت سے آسی کہہ رہا تھا کل نبی سے شفاعت ہوگی پہلے حشر میں یا مصطفےٰ کسکی

خبر اشک

شغل پرواز سوے اوج فلک رسم کہن ہمت طائر بے بال و پر اشک نئی
بارہا مرکے قلزم سے ہوئے فتح کے ساتھ آج پھر جنگ ہو پھر ہو ظفر اشک نئی

افات جنون

اے جنوں پھر مرے سر پر ہی شامت آئی پھر پھنسا زلفوں میں دل پھر ہی آفت آئی
کبھی جی بھر کے وطن میں نہ رہے ہم آسی روز میلاد سے تقدیر میں غربت آئی

نکتہ اعتبار

ایذا تو دو تلخ کلام راحت صبر کر جوش پیار کی کشش تلخ کلام ہے

عشق و ہوس میں حسن کو تمیز چاہیئے
مانو نہ مانو آگے تمہیں اختیار ہے

ہستی ہے عین موجۂ دریائے نیستی
درکار قوت نگہ اعتبار ہے

بنیاد روزگار کی نامحکمی نہ پوچھ
گنبد حباب کا تو بہت استوار ہے

سوائے ذوق جلوہ عبث جب نظر نہیں
جلوہ تو بہر اہل نظر بے قرار ہے

کیونکر ہوائے وصل کی جھونکوں میں اڑ نہ جائے
ہستی تو کاروان نفس کا غبار ہے

اے خضر عمر تو نے گڑھے میں گرا دیا
آسی کو سنتے تھے کہ بڑا ہوشیار ہے

دیدۂ بیخواب

اے فلک روشن تو نے آپ غفلت آلود ہے
کس ستارے کو ملی ہے آنکھ سونے کیلئے

جز شب گور اب تو نیند آنا بہت دشوار ہے
بس وہی اک رات ہے فرقت میں سونے کیلئے

تمنائے الفت

وہ کہتے ہیں میں زندگانی ہوں تیری
یہ سچ ہے تو انکا بھروسا نہیں ہے

مری زیست کیونکر نہ ہو جاودانی
جو مرتا ہے اسپر وہ مرتا نہیں ہے

مگر ہم تو چلتے ہیں اس گلی میں
نشان قدم کوئی پیدا نہیں ہے

نکل جائے دم اُن کی الفت میں آسی — سوا اس کے اب کچھ تمنا نہیں ہے

موجِ نظر

زخمی ہوئے آسی کہیں پھر تیرِ نظر سے — آتا ہے لہو آنسوؤں میں دیدۂ تر سے
رومال ہٹاؤ تو ذرا دیدہ تر سے — اشکوں میں نظر آتے ہیں کچھ لختِ جگر سے
برباد کیا جس سے جہاں آنکھ ملائی — خاک اُڑتی ہے عالم میں تری موجِ نظر سے
باطن سے نہیں راہ تو کیا دیدۂ ظاہر — آنکھ اپنی برابر نہ ہوئی چشمِ گہر سے
بے تاب فنا جامۂ ہستی کو بنایا — تا نگہِ مضطرب چشمِ شرر سے
ہے کلک گہربار سے ثابت دمِ تحریر — جو شاخ ہے جھک جاتی ہے وہ بارِ ثمر سے
آئینہ طبیعت ہیں مگر اہلِ فنا بھی — بے ساعتِ دیدار نکلتے نہیں گھر سے
جس پر متوکل تھے یہاں بھی ہے وہاں بھی — فارغ دمِ رحلت ہیں غمِ زادِ سفر سے
آسی اسی حسرت میں مرے اور جئے ہم — بے پردہ نظارہ ہو کہیں دیدۂ تر سے

چشم و ابرو

ایک دم میں ہزار دفتر طے — چشمِ حسرت غضب سخن گو ہے

جس کو کشتے ہیں زندۂ جاوید — وہ تمہاری ہی تیغ ابرو ہے
دل جو بے مدعا ہو کیا کہنا — یہی ویرانہ عالم ہو ہے
پل بھی ہے فخر جون پور آسی — خوابگاہ جناب شیخو ہے

راہِ طریقت

چار یاران نبیؐ ہیں آسی — تبعیت مجھے ہر یار کی ہے
طلب راہ خدا میں لیکن — پیروی حیدرؑ کرار کی ہے

آہ رسا

تہ عرش معلّٰی کچھ دھواں سا آج اوٹھا ہے — خدا جانے لگا آئی ہو آگ آہ رسا کسکی

گومگو

قطرے میں کچھ نہیں پانی کے سوا کیا کہئے — بات کہنے کی نہیں ہے بخدا کیا کہئے
ایک ہستی کے سوا کچھ بھی نہ جانا ہم نے — اے نکیرین پھر اور اسکے سوا کیا کہئے
ہم کہاں ہم تو ہیں معدوم مگر ہے کوئی — کہدیں کچھ صاف تو ہوتے ہو خفا کیا کہئے

لالہ و گل میں اُسی رشکِ چمن کی ہے بہار
باغ میں کون ہے اے بادِ صبا کیا کہیے

آسی خاک نشیں ہے تو سیہ کار ضرور
سگ درگاہِ رشید ہے تو برا کیا کہیے

صہبائے کیفیت

سب میں آتی ہے نظر کیفیتِ عالم مجھے
ہر حبابِ بحر کا ساغر ہے جامِ جم مجھے

کاش یہ سمجھو کہ میں کس شوخ کی تصویر ہوں
جب سمجھتے ہو کہ دی ہے صورتِ آدم مجھے

ذرّے ذرّے میں ترا جلوہ ہی اے آفتاب
دیکھ کر ہوتا ہے اک دیدۂ پُر نم مجھے

سنگ باراں حوادث اور مجھ سا جاں
میں یہاں کیا کر ذرا آ لے دیکھ مجھے

آلپٹ کر تجھ سے رو لوں اے زمیں کو دیا
آج کیوں اُس نے سنایا قصۂ غم مجھے

روز رستا خیز ہے ہر خیال تازہ ہے
ذہن عالم جانتے ہیں دوسرا عالم مجھے

میں تو تجھ میں محو ہوں تو صرف منزل دے بہم
تیرے عالم نے دکھائے لاکھوں ہی عالم مجھے

واقعی صہبائے ذوقِ جلوہ ہستی سوز ہے
وجد میں لاتی ہے آسی حالتِ شبنم مجھے

حسرتِ دیدار

جب تماشا ہی نہ ہو جلوہ سوزی کی نہیں
صیادِ حسرت مرغِ گرفتار کیوں کرے

موسیٰ اگر ملیں تو یہ ہے پوچھنے کی بات — دل ہی نہ ہو تو حسرت دیدار کیونکر کرے
آسی کو بھی بنا ہی کے چھوڑا شراب نوش — جو پارسا ہو صحبت میخوار کیوں کرے

اقوالِ آسی

کچھ کہوں کہنا جو میرا کیجئے — چاہنے والے کو چاہا کیجئے
فتنے سب برپا کئے ہیں حسن کے — میری الفت کو نہ رسوا کیجئے
حوصلہ تیغ جفا کا کم نہ جائے — آئے خون تمنا کیجئے

راہ تکتے تکتے آسی چل بسا
کیوں کسی سے آپ وعدا کیجئے

کسکو دیکھا اُن کی صورت دیکھکر — جی میں آتا ہے کہ سجدا کیجئے
ایک وصل اُنکا وہ قسمت میں نہیں — اور کس شے کی تمنا کیجئے

ہو مسلم وسعت ذوق نظر — قطرے میں جیسے دریا کیجئے
نام گردِ رکار ہے مثل نگیں — ایک گھر میں جم کے بیٹھا کیجئے

کیفِ عشق

نہ کبھی کے بادہ پرست ہم نہ ہمیں یہ کیف شراب ہے
لب یار چومے تھی خواب میں وہی جوش مستی خواب ہے
وہی پیش چشم ہیں ہر نظر مگر اب بھی شوق نقاب ہے
وہی میری ہر رنگ پے ہیں ہیں مگر اب بھی مجھ سے حجاب ہے
انھیں کبر حسن کی نخوتیں مجھے فیض عشق کی حیرتیں
نہ کلام ہے نہ پیام ہے نہ سوال ہے نہ جواب ہے

سرگزشت عشق

کبھی میری بھی تجھے چاہ تھی۔ تیرے دل میں میری ہی راہ تھی
کبھی اسطرف بھی نگاہ تھی کہ یہ سب خیال ہے خواب ہے
دل تیلا ہے ترا ہی گھر اسے رہنے دے کہ خراب کر
کوئی بیوفا طرح تجھے مگر نہ کہے کہ خانہ خراب ہے
یہ ہیں اپنے کوچے میں رہنے دو نہ عبث اٹھا کر ستا مجھے
جو اٹھا تو [illegible] ہے

اگر آنکھ کھولو تو کچھ نہیں اثر وجود بجز فنا
ہے سواد ہستیٔ بے بقا کہ بیاض چشم حباب ہے

چشم تصور

مجھے کیطرح آنکھوں کو جو اندھا کرتی
تجھکو اے بحر کرم دل ہی میں دیکھا کرتے

عالم ایک آئینہ خانہ ہے تیرے جلوے کا
ہم جدھر دیکھتے آخر تجھے دیکھا کرتے

ہم ہی تھے محرم بے پردگی خلوت خاص
کچھ تجھے شرم بھی آتی نہیں پردا کرتے

کچھ سکت اقلیم سفلہ اگر اتنا بھی
ہم تجھے چشم تصور ہی سے دیکھا کرتے

تو نے دعوائے خدائی نہ کیا خوب کیا
اے صنم ہم ترے دیدار کو ترسا کرتے

طلسم ہستی

کچھ نہیں ہوتا ہے جیتا گر کہو
یہ طلسم عالم اسباب ہے

وصل ہیں پھر جانے تو تو کچھ
ہر سپیدۂ صبح کا حیلا سبب ہے

ڈوب اے غواص دریا طلب
وصل جانان گوہر نایاب ہے

موت تھی یا بیقراری کا علاج
میت اپنی کشتۂ سیماب ہے

قطرہ دریا کا سوا یا ہو گیا　　رونے چار آنسو جہاں پنجاب ہے

نالۂ زار

آج وہ ہیں مجمع احباب ہے　　ایک مہجور آسی بیتاب ہے
میرے جسم زار کا ہر رونگٹا　　نالہ زار وقت احباب ہے
ای دُرِ خوش آب دریائے وجود!　　ہجر میں دل ماہی بے آب ہے
ذرہ ذرہ کوچۂ سفاک کا　　محشرستان دل احباب ہے
دیکھئے حوریں دکھائی جاتی ہیں　　امتحان عاشق بیتاب ہے
میری آنکھیں اور جلوا آپ کا　　یا قیامت آگئی یا خواب ہے
چوٹ کھائی تم نے ای آسی کہیں　　کچھ نہ کچھ دل آج لذت یاب ہے

عرفانِ حق

بیحجابی یہ کہ ہر شے میں ہے جلوہ آشکار　　او سپہ گھونگھٹ یہ کہ صورت آج تک نادیدہ ہے
دیجئے تشبیہ تیرے حسن کو کس چیز سے　　ایک تو ہی دیدہ ہے تیرے سوا نادیدہ ہے
وادیٔ عرفاں میں دل نے ہمت دخل دی　　نقش پائے ناتوانِ عارف لغزیدہ ہے

اتنے بتخانوں میں سجدے ایک کعبے کی عوض
کفر تو اسلام سے بڑھکر ترا گرویدہ ہے

دم بخود رہنے دو کیوں رسوا ہو مجھکو چھیڑ کر
غیر دریا بلبلے میں اور کیا پوشیدہ ہے

دلِ آگاہ

حرص دولت کی نہ عزّ و جاہ کی
بس تمنا ہے دلِ آگاہ کی

درد دل کتنا پسند آیا اُسے
میں نے کی جب آہ اوس نے واہ کی

بس سلوک اوسکا ہے منزل اُسکی ہے
اُسکے دل تک جسنے اپنی راہ کی

واعظو کیسا بتوں کا گھورنا
کچھ خبر ہے نشۂ وحدۃ اللہ کی

راہِ حق کی ہے اگر آسی تلاش
خاک رہ ہو مردِ حق آگاہ کی

عروسِ فکر

کلامِ درد آگین کی صفائی جان لیتی ہے
عروسِ فکر آسی روغنائی جان لیتی ہے

دمِ نزعِ رواں اچھی طرح ثابت ہوا مجھکو
فرشتہ بن کے بھی تیری جدائی جان لیتی ہے

زبانِ موج ہر پھر کر یہ کہتی ہے حبابوں سے
ہوا سرکش کے سر میں جب سمائی جان لیتی ہے

جو بڑاتا ہے سونے میں بھی آسی تو یہ کہتا ہے
الٰہی اُنکی اتنو پارسائی جان لیتی ہے

شورِ حسن

رہ ملکِ عدم کا نام سنکر دم نکلتا ہے
یہ وہ رستہ ہے جسمیں ہر مسافر مر کے چلتا ہے

بسان شمع ہو زخم میں کیا اخفائے گریہ ہو
گلے کا ہار ہو جاتا ہے جو آنسو نکلتا ہے

پرایا حق وہ تھا جاتا رہا جو ہاتھ سے تیرے
بسان آسیا ناحق کف افسوس ملتا ہے

ملایا خاک میں ناقدریوں نے اہلِ بینش کی
جو مثلِ اشک آنکھوں سے گرا وہ کب سنبھلتا ہے

اگر شورِ شباب اتنا ہوا اسکا تکبر کیا
گجر ہے دوپہر کا آفتابِ حسن ڈھلتا ہے

بسان شمع آخر آپ رہجاتا ہے جل بھنکر
کہیں آتش زبانی سے کسی کا کام چلتا ہے

جوانی گو نہیں پر ناتوانی ہے ضعیفی کی
ملے جو کوئی چھنکی وضع پائے دل بہلتا ہے

درخت بار ور کیطرح پتھر روز کھاتا ہوں
جنون نخل قد یار مجھکو خوب پھلتا ہے

اُن آنکھونکی قسم کچھ گرمی دل کم نہیں ہوتی
خیال جنبش مژگاں اگر پنکھا بھی جھلتا ہے

فتنہ زار حشر

وصل ہی پر دل میں اب تک ذوق غم پیچیدہ ہے
بلبلا ہے عین دریا میں مگر نم دیدہ ہے

دل کی وہ وسعت کہ نقطے سے بھی کم سا آسماں
جسم یہ لاغر خط وہمی سے جو کاہیدہ ہے

فتنہ زار حشر سب سمجھے ہیں جس میدان کو
دامن نازنگہ کا گوشۂ جنبیدہ ہے

ہجر میں کیسا زمین و آسماں کا فاصلہ
جو ستارا ہے وہ داغ حسرت بالیدہ ہے

آدمی کی سرکشی غفلت ہی اپنی اصل سے
ذوق سجدہ قطرۂ افتادہ میں پیچیدہ ہے

دیر کیوں ای اذن جنت منزل منزل کے بعد
اب تو ظاہر ہے کہ میرا ہر عمل سنجیدہ ہے

دیکھکر محشر خرامی اونکی اب سمجھا ہوں میں
ذرہ ذرہ کاروان فتنہ خوابیدہ ہے

منھ لگانا تھا کہ سب گرد کدورت دور تھی
بادۂ گلگوں مزاج عاشق رنجیدہ ہے

حشر میں منھ پھیر کر کہنا کسی کا ہائے
"آسی گستاخ کا ہر جرم نا بخشیدہ ہے"

آئینہ خانہ

بے ترے جینے کی کس جی سے تمنا کرتے
مر نہ جاتے جو شب ہجر تو ہم کیا کرتے

کشتۂ ضبط نفس ہو نہیں فلک شاہیں
یہ کہاں ہوتے اگر ہم کوئی نالا کرتے

حامل بار امانت ہو ظلوم اور جہول
اور کیا اس سے زیادہ مجھے رسوا کرتے

نہیں عکس آئینہ خانہ میں تو وہی عکس نہیں
وہی پنہاں تھے اگر ہم کو نہ پیدا کرتے

زندگی فرقت دلدار میں کیا اے آسی
مر نہ جاتے جو شب ہجر تو ہم کیا کرتے

یاد ماضی

حجاب گنج مخفی میں نہاں تھے
الٰہی ہم کہاں آئے کہاں تھے؟

بہار باغ ہستی تھی ہمیں سے
نظر سے گو برنگ بو نہاں تھے

نہ تھا معشوق جس میں غیر عاشق
عجب خلوت تھی وہ بھی ہم جہاں تھے

اوٹھے ہم اٹھ گیا پردہ دوئی کا
ہمارے آپ کے بس ہم درمیاں تھے

ہوئے ظاہر بسان نور باطن
دل ارباب دل میں ہم نہاں تھے

رہی راتوں کو اکثر سیر افلاک
مگر ہم تیر آہ بیکساں تھے

جب اوس کوچہ کی حاصل تھی گذر
خداوند زمین و آسماں تھے

کچھ ایسے نشۂ ہستی سے بہکے — نہیں جانا کہاں آئے کہاں تھے

نسبت عشق

انھیں کانوں سے انا الحق کی سنے ہیں دعوے — آدمی عشق میں کیا جانئے کیا ہوتا ہے

حسن کی چارہ گری کا ہے بڑا شور مگر — درد الفت کہیں محتاج دوا ہوتا ہے

غیر کو غیر جو کہئے تو غلط ٹھہرا دے — اور کہئے کہ وہی ہے تو خفا ہوتا ہے

سوئے منصور انا الحق کی غلط نسبت تھی — کوئی کہہ دے کہیں بندہ بھی خدا ہوتا ہے

دلربائی تری ہر بار نرالی نکلی — واہ رے حسن کہ ہر جلوہ نیا ہوتا ہے

امتیاز من و تو کچھ بھی نہ باقی رہتا! — بادۂ جلوۂ عضب ہوش ربا ہوتا ہے

محو و اثبات کی جھگڑے میں پھنسا کر ہمکو — دیکھیں کب لطف ترا عقدہ کشا ہوتا ہے

جسمیں دیدار ہو وہ بھی ہے قیامت کوئی — یہ قیامت ہے کہ وہ مجھ سے جدا ہوتا ہے

غیر سے قطع نظر چاہیے شیدائی کو — حاصل خلوت و بزم ایک مزا ہوتا ہے

ذکر محبوب

دل عاشق میں قلق حد سے سوا ہوتا ہے — ذکر محبوب بھی اندوہ فزا ہوتا ہے

دشمن زیست جدائی ہے تو ملنا کیا ہے
قطرہ دریا میں جو ملتا ہے فنا ہوتا ہے

پھر گئے خلد کو آدم مگر ابلیس تو جائے
نہ برا سوچ کسی کا کہ برا ہوتا ہے

دل جو تھا خاص گھر اسکا نہ بنایا افسوس
مسجد و دیر بنایا کرو کیا ہوتا ہے

عشق کامل ہو تو مرشد نہیں ایسا کوئی
خود وہی قبلہ وہی قبلہ نما ہوتا ہے

ہمت شیخ کی صیقل کی بدولت آسی
یہی دل آئینہ روئے خدا ہوتا ہے

حجاب حسن

غلط ہے آسی یہ بدگمانی وہاں کسی کا گذر نہیں ہے
کہ آجتک تیری حالتوں کی کہیں کسی کو خبر نہیں ہے

وہ کیوں ہمیں حسن کا تقاضا یہی ہے کچھ حجاب میرا
نقاب الٹیں وہ بے تکلف کہ مجھ میں تاب نظر نہیں ہے

وصال و فرقت کی شکر و شکوے تو کیوں ہو دیدار کی تمنا
جو غیر اسکے کسیکو دیکھے کبھی وہ صاحب نظر نہیں ہے

خفا نہ ہو مانو بات میری نہ راہ لو غیر کی گلی کی
یہ سچ ہے بیخود پڑا ہے آسی مگر کبھی بیخبر نہیں ہے

اتحادِ کامل

لسانِ عمرِ رواں کسی کو سفر نہ پیش آئے بیکسی کا
کہ راہ میں نقشِ پا نہیں میل رہ نہیں راہبر نہیں ہے
جو اپنے دم سے بھی آدمی کو نصیب ہو اتحادِ کامل
کسے نہیں خلوتِ انجمن میں وطن میں کس کو سفر نہیں ہے

معذوریٔ عشق

مدد اے نالہ ہائے بیتابی — سوتے ہیں وہ جگا نہیں سکتے
عشق کیسا تواں فزا نکلا — کسکے طعنے اوٹھا نہیں سکتے
لذتِ اک گونہ چاہیے مجھکو — کیا وہ دل بھی دکھا نہیں سکتے
اُن کو دعوائے یوسفی آئی — خواب میں بھی جو آ نہیں سکتے

جادو بیان

جز تیرِ زباں نہ کوئی ملا قدرداں مجھے — آنکھیں کسیکی کہتی ہیں جادو بیاں مجھے
آغوش میں بھی چاند سی صورت ضرور ہے — رفعت اگر ملی صفتِ آسماں مجھے

کیوں کر کہوں کہ چار نگاہیں ہوئے کیں
آدھی نگاہ نے تو کیا نیم جاں مجھے

جائے سخن زبان سے شعلہ بلند ہو
محفل میں ایک شمع ملی ہم زباں مجھے

گذرا میں اپنی جان سے کس کا برا کیا
کیوں خاک میں ملاتے ہیں اہل جہاں مجھے

آسی شہید عشق ہوں مرا نہ جاننا
مر کر ملی ہے زندگی جاوداں مجھے

"تلقین نالہ"

بلبل نہیں ہیں طائر نکہت فشاں نسیم!
ہے ایک غنچہ ساں قفس و آشیاں مجھے

گھبرائی نقش پا کی طرح باغ دہر میں
جو چل گئی ہوا ہوئی باد خزاں مجھے

اے نقش پا ہدایت راہ فتادگی!
تلقین نالہ اے جرس کارواں مجھے!

رکھنے تھے دل میں صورت نے پر خموش تھا
دمبازیوں نے تیری سکھائی فغاں مجھے

صدموں نے ہجر کے مجھے بے کیف و کم کیا
کیوں وصل میں ہو قید زماں و مکاں مجھے

سینے میں دل اگر نہ ہو حرص نالہ کیوں
کیا بات کہہ گیا جرس کارواں مجھے

صبر و قرار و ہوش و خرد کس کو دے
پامال کر رہا ہے غم رفتگاں مجھے

لائی عدم سے لے بھی چلی جانب عدم
کیسی رفیق رہ ملی عمر رواں مجھے

رہگذر عشق

ملنے کی یہی راہ نہ ملنے کی یہی راہ
دُنیا جسے کہتے ہیں عجب راہگذر ہے

عمر اپنی رواں ہے تو قیامت سے سروکار
سمجھے اگر انسان تو دن رات سفر ہے

انجام کی منزل ہے کڑی دیکھی گیا ہو
دنیا میں جو آئے ہو یہ آغاز سفر ہے

پہونچو گے اُسی کوچے میں جس راہ سے جاؤ
جو راہ ہے اوس کوچے کی بیخوف و خطر ہے

لغزش ہوئی جب حضرت آدم سے نبی کو
آسی کو بُرا کیوں کہو وہ بھی تو بشر ہے

سرجوش فنا

وصل ہے سرجوش صہبائے فنا
پھر اگر کوئی ملے کیوں کر ملے

یہ بھی ملنا ہے کہ بعد از صد تلاش
حد وہم و فہم سے باہر ملے

ملنے کے پہلے فنا ہونا ضرور
پھر فنا جو ہو گیا کیوں کر ملے

جانتے ہو اوس کو نفرت ہم سے ہے
ہم ہیں جبتک وہ ہمیں کیونکر ملے

آسی گریاں ملا محبوب سے
گل سے جیسے شبنم بسطرح رو کر ملے

محشر تمنا

قطرہ وہی کہ رو کشِ دریا کہیں جسے
یعنی وہی میں کیوں نہ تجھے سا کہیں جسے

وہ اک نگاہ ای دلِ مشتاق اسطرف!
آشوب گاہ حشرِ تمنا کہیں جسے

بیمارِ غم کی چارہ گری کچھ ضرور ہے
وہ دردِ دل میں دے کہ مسیحا کہیں جسے

اس ضعف میں تحمل حرفِ صدا کہاں
ہاں بات وہ کہوں کہ نہ کہنا کہیں جسے

وہ ایک ذرہ خاک قدم چشمِ شوق!
موسیٰ نگاہ مہرِ تجلا کہیں جسے

پیمانۂ نگاہ سے آخر چھلک گیا
سرجوشِ ذوقِ وصلِ تمنا کہیں جسے

اسی جو گل سے گال کسی کی ہو کیا؟
معشوق وہ کہ سب سے نرالا کہیں جسے

صید فنا

ہے صید فنا جو ہدف تیرِ نظر ہے
چیرو مرے سینے کو نہ دل ہے نہ جگر ہے

شرم آتی ہے کہتے ہوئے عاشق ہوں کسی کا
نالوں میں نہ تاثیر نہ آہوں میں اثر ہے

وہ تیغ نگہ پیک اجل اور میرے پاس
ٹوٹے ہوئے دل کو وہی ٹوٹی سی سپر ہے

التجائے دید

غش نہ آجائے کہیں مانند موسیٰ دیکھئے
میری آنکھوں سے نہ اپنا آپ جلوا دیکھئے

کی نظر جسنے مرے باطن میں تو ظاہر ہوا
وہ بھی قطرہ ہے نہ جس قطرے میں دریا دیکھئے

آفتاب روئے لیلا جلوہ گر دزد نہیں ہے
چشم مجنوں سے جو موج ریگ صحرا دیکھئے

دل بنا ہر جزو تن ہر داغ دل اک چشم شوق
اپنی دید اپنے تصور کی تمنا دیکھئے

حسب استعداد طالب چاہئے فیض کرم
منہ ہمارا دیکھئے اور ایک کو سارا دیکھئے

خامشی اچھی نہیں اے خضر راہ دعا
کچھ تو کہئے گو یہی کہئے کہ رستا دیکھئے

آپ سے جو پردۂ افلاک میں چھپتا تھا
ہم نے سینے میں چھپا رکھا وہ جلوا دیکھئے

وہ نظر دے برق خرمن سوز پنداز خودی
تو ہمیں میں ہو مگر تجھکو اکیلا دیکھئے

آپ سے دیکھی نہیں جاتی تھی میری زندگی
لیجئے مرتا ہوں اب مرنا تو میرا دیکھئے

کیا پیاپے چل رہا ہے دور صہبائے فنا
رنگ ذوق محفل امواج دریا دیکھئے

صحرائے تمنا

نور میں ظلمت میں سب میں ایک جلوہ دیکھئے
رنگ بے رنگی میں سب رنگ بیرنگ دیکھئے

جی میں ہے اپنے ہی جامہ میں وہ جلوا دیکھئے
وسعت [illegible] صحرائے تمنا دیکھئے

موسیٰ و جبریل کی بھی دنگ ہے دید و شنید
دیکھنا سنئے ہمارا اور سنا دیکھئے

صورت نقش کف پا خاک میں ملنے کے بعد
اپنے رستے میں مرا آنکھیں بچھانا دیکھئے

رات آسی کہتے تھے اپنے سیہ خانہ کو گور
جیتے جی مر جاتے ہیں عاشق تماشا دیکھئے

آسی مینوش

شکر محرومی آب حیوان لب یار
ہم سے درویش بھی ہم بخت سکندر نکلے

کھیل سمجھا ہے کچھ انشائے سیہ کاری عشق
دیکھنا دود جگر منہ سے نہ باہر نکلے

طائر جان و دل آسی شیدا دونوں
بلبل گلشن رخسار پیمبر نکلے

سب یہ جانیں کہ غزل آسی مینوش کی ہے
شعر جو نکلے وہ دامن کی طرح تر نکلے

عکس حسن

وہ چلے چال کہ پامال ہے سارا عالم
جان تم بھی صفت چرخ ستمگر نکلے

آنسوؤں میں ہو کہاں عکس فگن حسن تیرا
دیکھے ٹکڑے مری آنکھوں سے مقرر نکلے

یوں بتانے کے لئے [illegible]
تو سہی یار کہ پہلو میں ترا گھر نکلے

آفاتِ فرقت

کلیجہ منھ کو آتا ہے شبِ فرقت جب آتی ہے
اکیلے منھ لپیٹے روتے روتے جان جاتی ہے
تڑپنا، تلملانا، لوٹنا، سر پیٹنا، رونا
شبِ فرقت اکیلی جان پر سو آفت آتی ہے
نہ نہر باغ پر ہے منحصر آسی نہ شبنم پر
خدائی میری حالت دیکھ کر آنسو بہاتی ہے

فلسفۂ ربوبیت

کہاں ترا کوئی بحرِ وجود میں ثانی
حباب دیدۂ اہلِ نظر میں ہے پانی
نہ فرق سو جھے اگر ظاہر مظاہر میں
کسے کہے کوئی باقی کسی کے فانی
اوسی کو دیکھتے ہیں جمع بلکہ جمع الجمع
جسے سمجھتے رہے مدتوں سے پیشانی
ہوا جو رفعِ تعین، تو جز بہار نہ تھا
یہ برگ و بار و گل و غنچہ گلستانی
درختِ پھل سے ہے پیدا تو ہے درخت میں پھل
یہ میری تیری ہے پیدائی و پنہانی
اگر یہ ہم ہیں تو کیا تیری ذات ہے محدود
اگر یہ تو ہے تو پھر کیا وجودِ امکانی

مخل جب ہوئی وحدت میں کثرت عالم
تو کیوں نہ شریک قدم ہو ثبوت اعیانی

زوال صورت اشیا ہی صورت ہمہ اوست
غرض کہ ہیچ پدید انی ہوئی ہمہ دانی

مآل سعی نگاہ کمال تحقیقات
نہ خاک کچھ نظر آیا بغیر حیرانی

نوید یاس

دل گرفتہ ہے ای دل نوید عریانی
کہ غیر چاک نہیں غنچہ کی گریبانی

بغیر منزل حیرت کہاں نظارۂ یار
نوید یاس ہوئی آئینے کی عریانی

میں اوسکی رزق رسانی کی شان کے صدقے
نہ اور کچھ ہو تو غم ہے غذائے روحانی

ظہور غم تو کچھ اسباب کا نہیں محتاج
بغیر چشم ہے شبنم کی اشک افشانی

وفور اشک میں ماوائے غم نہ دل ہوتا
جو ہوتی لازم سیلاب خانہ ویرانی

یہ زیر چرخ تنک ظرف جوشش پیہم غم!
یہ ایک حباب ہیں بحر بلا کی طغیانی!

رباعیات

آرزوئے دل

یا تجھ کو ترا حسن نہ بھایا ہوتا
یا ہر رگ و پے میں تو سمایا ہوتا
یا دل ہی میں جلوہ گر اگر ہونا تھا
ہر جزو بدن کو دل بنایا ہوتا

حیات بعد الممات

پھر بادۂ تند عصیاں پینا ہوگا
پھر ٹکڑے جگر کے ساتھ سینا ہوگا
جینے نے یہاں کے مار ڈالا آسی
کہتے ہیں کہ پھر حشر میں جینا ہوگا

ظاہر و مظاہر

باطن جسے ہم سمجھے وہ ظاہر نکلا
ظاہر بھی یہاں میں مظاہر نکلا
کیسے اغیار غیر کہتے ہیں کسے
اغیار میں بھی یار ہی جلوہ نکلا

شبِ گور

کیا جانتے تھے بعد فنا کیا ہوگا — طولِ شبِ مارِ گور اتنا ہوگا
اب روزِ قیامت کی درازی کیسی — کیا رات بڑھیگی دن نہ چھوٹا ہوگا

طلبِ کامل

کامل جو ہوئی طلب تو کیا کیا نہ ملا — کیوں کوئی کسی کو ڈھونڈھا نہ ملا"
میں ہوں کہ جو کوئی ڈھونڈھے پہلو میں ہوں — پر کوئی مجھے ڈھونڈھنے والا نہ ملا

صورتِ معنی

معنی سے یہ کیسی متصل کی صورت — اللہ اللہ آب و گل کی صورت!!
بے شبہ سنا دلوں میں رہتا ہے وہ گل — غنچے نے بنائی ہے جو دل کی صورت

شوقِ طلب

ہم پہونچینگے آنکے جہاں شیدا کی طرح — رکنے کے نہیں جوشِ تمنا کی طرح
رہ جائیں رہِ طلب میں چلنے سے جو پاؤں — ہم سر سے چلیں آبلۂ پا کی طرح

نقشِ کفِ پا

آوارہ نہ ہو غبارِ صحرا کی طرح
بیٹھا ایک جگہ نقشِ کفِ پا کی طرح
سرگرداں ہو کے دیکھ برباد نہ ہو
اندھا نہیں تو حباب دریا کی طرح

جامِ صہبا

صحرا کی خبر لیں مستِ صہبا کی طرح
کیوں گوشہ نشیں ہوں مینا کی طرح
کیوں صورتِ غم گاڑ کے رہ جائے پاؤں
گردش میں مزا ہے جامِ صہبا کی طرح

فروتنی

عادت رکھنا فروتنی کی اے دل
نخوت نہیں بھاتی ہے کسی کی ایدل
کھول آنکھ حباب بحر سے عبرت لے
بیمغز ہے جس نے سرکشی کی ایدل

پیری

پیری میں نہ دانتوں کے لئے ہو مغموم
ہو جائیں گے اب سمع و بصر سب معدوم
بالوں میں سپیدی آئی اب دانت کہاں
جب صبح ہوئی تو پھر ستارے معلوم

تشائم الخیالی

نیکی کرتا ہوں میں بدوں سے بیم
پہونچے جو ستم کوئی تو سمجھوں میں کرم
آنکھیں قدموں تلے بچھاؤں آسیؔ
پامال اگر ہوں صورت نقش قدم

مردم دین

پہلو میں سما جاؤ کہ بس جان ہو تم
دل میں مرے گھر کر دکہ ایمان ہو تم
لو کچھ نہ کرو جو کچھ کہا پھیر لیا
آنکھوں میں چلے آؤ جو انسان ہو تم

منزل فنا

ہر طرح سراغ مدعا ہو کے رہوں
نقش قدم و بانگ درا ہو کے رہوں
گر جاؤں زمین میں اگر اے آسیؔ
سیل رہ منزل فنا ہو کے رہوں

نالۂ درا

سیل رہ منزل فنا ہو کے رہوں
ہم نغمہ نالۂ درا ہو کے رہوں
پامال اگر ہوں صورت نقش قدم
اس راہ میں تب بھی رہنما ہو کے رہوں

سازِ خودی

وہ ذکر کروں کہ خود فراموش ہو نہیں — کوئی نہ سنے پر ہمہ تن گوش ہو نہیں
پائی ہے زبان نور کی شمع صفت — محفل میں اندھیرا ہو جو خاموش ہو نہیں

خاموشی

کیا جانے کوئی کیا ہے دلِ قاتل میں — بہتر ہے کہ دل کی بات رکھئے دل میں
سر صورتِ شمع بار گردن کیوں ہو — آتی نہ زباں کھول اس محفل میں

نسبتِ حُسن

صورت تری بھا گئی کہ سیرت دل کو — بے وجہ نہیں تیری محبت دل کو
نسبت ترے ساتھ کچھ نہ کچھ اسکو ہے — چھاتی سے لگانی ہے جو خلقت دل کو

سرِ تخلیقِ آدم

ہستی میں عدم سے کیا وہ لایا ہمکو — آرام سے سوتے تھے جگایا ہمکو
پھونکی نہیں روح قالبِ خاکی میں — در پردہ یہ خاک میں ملایا ہمکو!

دائرۂ فنا

کیوں نقطۂ موہوم بنایا ہمکو　　کیوں دائرۂ فنا میں لایا ہمکو
وہ سہو نویس تھا نہ ہم حرف غلط　　کیوں صفحۂ ہستی سے اوٹھایا ہمکو

مدت زیست

آنکھیں کھولیں نہ کچھ دکھایا ہمکو　　دم بھر کے لئے یہاں وہ لایا ہمکو
ہر چند کہ سینے میں ہے دریا مواج　　پر مثل حباب ہے بنایا ہمکو

نقش ہستی

ہمرنگ سراب ہے بنایا ہمکو　　مانند حباب ہے بنایا ہمکو
ہر چند کہ مثل موج ہے دریا دل میں　　پر نقش بر آب ہے بنایا ہمکو

اسرار خودی

[illegible]　　[illegible]
[illegible]　　[illegible]

نورِ الفت

تھوڑی سی محبت اپنی دل میں دیدو — جو دل سے بجھے آب و گل میں دیدو!
وہ جلوہ کہ جس سے غش ہوئے تھے موسیٰ — وہ نور مری آنکھوں کے دل میں دیدو!

خاکساری

ذرّے سے جو دیکھنے میں کمتر ہونگے — تیرے لئے وہ بھی مہر انور ہونگے
ای دل نہ برابری کسی کی کرنا — ہاں خاک کی اک روز برابر ہونگے

شکایت روزگار

دل سوز ہے فاک گرد شی ہوگی — میخوار رہے نہ مے فروشی ہوگی
امید شراب ناب کیسی آسی! — دور آخر ہے دُرد نوشی ہوگی

صدائے گور

باز آؤ دم عشق کے اب بھرنے سے — آسی ڈرتے نہیں ہو تم مرنے سے
مجنوں کے لب گور سے آتی ہے صدا — مرنا بہتر ہے عاشقی کرنے سے

راز ہستی

پردہ نہ کہلا قبائے گل کا کچھ بھی — کیا غنچہ کے دل میں ہے نہ سوچھ کچھ بھی
گلشن میں یہ کسکے رنگ ہیں اے نرگس! — کس کام کی آنکھ جب نہ سوجھا کچھ بھی

پاک طینت

شبنم نہ ہو کیون نظر میں پانی پانی — دانے کیلئے کرتے ہیں اشک افشانی
جو پاک گھر ہوتے ہین، موتی کی طرح — رکھتے ہین گرہ مین اپنے دانا پانی

انکسار

جھک کر چلنے کی وضع کیا بھاتی ہے — وجہ اسکی یہ مرے ذہن مین آتی ہے
بادام آنکھین ہین، پستہ منھ ٹھنڈی سیب — جو شاخ بہت پھلتی ہے جھک جاتی ہے

منصب ہدایت

جو چاہے کہ منصب ہدایت پائے — فرش رہ رہروان عالم ہو جائے
جب تک نہ ہو مثل جادو سینہ پامال — کسطرح کسی کو تا بہ منزل پہونچائے

ماسوا

جب تک کہ نہ دل ہو مدعا سے خالی — ہرگز نہ ریاضت ہو ریا سے خالی
پانی پر ابھی روان ہو تو مثل حباب — سینا جو تیرا ہو ماسوا سے خالی

سفر در وطن

پستی ہی سے ہے بلند بینی میری — ہے سیر ارم گوشہ نشینی میری
اٹھا کہ فنا ہون نقش پا کی مانند — ہستی ہی مری خاک نشینی میری

تفرید و تجرید

ہے اہل جہان سے ایسی تجرید مجھے — تجرید مین گویا کہ ہے تفرید مجھے
اونمین بھی نہین مین پیشوا ہون جنکا — سبحہ کے امام کی ہے تقلید مجھے

حد فنا

ہم مشق وفا سے بیوفا تک پہونچے — زائل جو ہوئی خودی خدا تک پہونچے
ہان عین وطن ہو جب سفر موج کی طرح — کیونکر نہ کوئی حد فنا تک پہونچے

خلوت انجمن

چہرہ ہے کہ جان عالم وحدت ہے — جلوا ہے کہ برق خرمن کثرت ہے
محفل بازار یا کوئی میلا ہو — تم مجھکو جہاں ملو وہی خلوت ہے

انتہائے عشق

وحدت جسے کہتے ہو وہی کثرت ہے — کثرت جسے سمجھے ہو وہی وحدت ہے
واصل ہے نہ موصول نہ گنجائش وصل — محفل ہے نہ خلوت ہے عجب صحبت ہے

ہستی ماسوا

کیا نیستی ہست نما کی ہستی — دھوکے سے بھری ہے ماسوا کی ہستی
آسی اس دھوکے میں نہ آنا ہرگز — ہستی ہے اگر تو بس خدا کی ہستی

موتوا قبل ان تموتو

میت پر میری کوئی رو جاتا ہے — کوئی یہ کہکے ہوش کھو جاتا ہے
جاگو جاگو لگی سواری در پر — چلنے کو جو ہوتا ہے وہ سو جاتا ہے

ذلتِ عشق

بحرِ الفت کی راہ جو جاتا ہے — عزت و توقیر سب ڈبو جاتا ہے
پائی بھی جو آبرو تو موتی کی طرح — سو راخ جگر میں ایک ہو جاتا ہے

دختر رز

مے پیے پھرتی ہے میخانہ مین مٹکی مٹکی — زاہد عابد سے دور پھٹکی پھٹکی
زاہد سے ڈرے۔ نہ محتسب سے کافر — یہ دختر رز ہے جس سے اٹکی اٹکی

کنج عزلت

توقیر بغیر جستجو ملتی ہے — ذلت گردش میں چار سو ملتی ہے
موٹی سی یہ بات ہے کہ موتی کیطرح — کنج عزلت میں آبرو ملتی ہے

اضطراب سیماب

اے جوش جنوں کہیں نہ دم بھر ٹھہرے — صحرا مین کبھی نہ اوسکے در پر ٹھہرے
پارے کیطرح ہے بیقراری اپنی — ٹھہرے بھی اگر کہین تو مر کر ٹھہرے

رہ طلب

اِک عمر رہ طلب میں چکر کھایا — آخر دل میں سراغ اوسکا پایا
دل میں دیکھا تو آئینے کی صورت — جز اپنے کوئی نظر نہ مجھکو آیا

فروتنی

کیا فائدہ بار سرکشی ڈھونے سے؟ — کیا مثل حباب آبرو کھونے سے؟
آسی یہ فروتنی وہ شے ہے کہ ہلال — بالائے فلک ہے سرنگوں ہونے سے

گرانبارئی غم

ہر چند کہ موت کا طلبگار ہوں میں — رنج و الم و غم سے گرانبار ہوں میں
پر زندگی اپنی کہہ چکا ہوں تجھکو — کس منہ سے کہوں زیست سے بیزار ہوں میں

سامانِ مراد

سرمایۂ ناز بے نیازی تیری — سامان مراد چارسازی تیری
دل سا ویران گھر بسایا تو نے — اللہ اللہ دل نوازی تیری!

صفحہ	نمبر شعر	شرح
۱	۳	مولانا روم سے نعمہائے اندرون اولیا اولاً گوید کہ ای اجزائے لا بین زائے آفتی امبر زنید این خیال و وہم سبز و مکنید
۶	۱۲	فشار لحدی۔ مردہ جسوقت قبر مین رکھا جاتا ہے اوس وقت قبر کی دیوارین چارون طرف سے مردہ کو دبانا چاہتی ہین۔ اسی حالت کو فشار لحدی کہتے ہین
۶	۱	سجن المومن۔ کنایہ از حدیث الدنیا سجن المومن و جنت الکافر
۶	۳	مرد افگن "جو بڑے بڑے کو گرا دے"۔ شبلی شراب تلخ دہ ساقی کہ مرد افگن بود زورش کہ تا لختے بیاسایم ز دنیا و شر و شورش (حافظ)
۸	۱	ملاحظہ ہو سدہا تا مصنفہ را بدر را نا تھ نیگور "جسوقت تک ہم کھانے سے اسودہ نہین ہوتے اوسوقت تک خود اوس فعل مین ایک مسرت اور حظ محسوس ہوتا ہے کیونکہ اوسوقت ہر لقمہ کھانے کی خواہش کو کم کرتا جاتا ہے لیکن جب ہم اسودہ ہو جاتے

صفحہ	نمبر شمار	
		ہیں تو پھر خطا بھی معدوم ہو جاتا ہے"
۸	۵	آسی نے فلسفۂ وجود کے ایک بہت بڑے معرکۃ الآرا مسئلہ کا انکشاف فرمایا ہے۔ گردش زمانہ بعض نفوس کیلئے باعث ہلاکت ثابت ہوتی ہے اور اوس وقت اور اوسی لمحہ مین دوسرے اسباب دوسرون کیلئے وجہ زندگی ثابت ہوتی ہین۔ دن کا وجود ستارون کو انسانی آنکھون کیلئے فنا کر دیتا ہے لیکن دوسرون کیلئے دن کی روشنی وجہ ہلاکت نہین۔
۱۱	۴	آیۂ کریمہ "لولاک لما خلقت الافلاک" کی جانب اشارہ ہے
۱۵	۶	بت۔ تجلی شاہد معنی را گویند کہ ہر صنعت ماورا صفتی دیگر بر دل سالک ظاہر شود و نیز کنایہ از مطلوب و مقصود۔ نیز عبارت از مظہر مستی مطلق است کہ ان حق بود پس این من حیث الحقیقت حق باشد باطل و عبث نیست و بت پرست را کہ حق پرست گویند۔ (سید جلال)

صفحہ	نمبر شعر	شرح
۲۰	۴	مثلہ ہست کہ الجنس الی الجنس یمیل بہر دل بردن من صورت انسان وار ہی
۲۲	۶	حیرت ۔ عالم جبروت سے عالم لاہوت کا راستہ (وادی) تحیر میں ہے۔
۲۵	۱۱	کل یوم ہو فی شان یعنی ہر روز ہر وقت اور ساختن و پرداختن کار ہست ۔ داعی را دعا اجابت کند و سائل را عطا دہد و در ماندہ را نجات بخشد و غمگین را شادمان کند و بیمار را صحیح سازد (حاجی امداد اللہ رح)
۳۷	۳	واغ ۔ سے کی فرشتوں کی راہ ابر نیست جو گنہ کیجئے تو اب ہے آج
۴۳	۹	غالب سے مجھے مت کہہ تو مجھے کہتا تھا اپنی زندگی زندگی سے بھی مرا جی اندنوں بیزار ہے

صفحہ	نمبر شعر	شرح
		عمر بھر کا تو نے پیمان وفا باندھا تو کیا عمر کو بھی تو نہیں ہے پائداری ہائے ہائے
		ذوق ؎ تو ہماری زندگی پر زندگی کی کیا امید تو ہماری جان لیکن کیا بھروسا جان کا
		گم نام ؎ عمر بھر غم خانہ چھوڑیں گے عمر بھی اپنی کو دشنام کے
۴۶	۶	قرۃ العین ؎ کہ کشید دامن فطرت کہ بقید ماہ من آمد تو بہار عالم دیگری ز کجا باین چمن آمدی
۵۰	۱	ناسخ - تین ترجمے ہو دو انکہیں مری اب الہ آباد بھی پنجاب ہے

LIBRARY
ALIGARH.

پبلک پریس غازی پور

محلہ بربرہنہ

سب سے ارزان بہترین اردو۔ ہندی۔ بنگلہ کی کتابت و طباعت و وقت کی پابندی پبلک پریس کی نمایاں خصوصیات ہین اور یہی وجہ ہے کہ صرف ایکسال کے اندر غیر اضلاع مین بھی اسنے کافی نیکنامی حاصل کر لی ہے۔ اب متعدد سائنٹیفک کے علاوہ طلائی تمغہ بھی پا چکا ہے۔ آپکی سہولتون کے خیال سے ہر قسم کے لکھنو اور ٹیٹا گڑھ کے کاغذ اور اسٹیشنری کے جملہ سامان بھی ہم نے بڑے پیمانہ پر فراہم کئے ہین جو آپکو بازار سے ارزان قیمت پر مل سکتے ہین۔

(مینجر پبلک پریس)

२८१ ८९१५८३१२
(१११०१)

DUE DATE

Ram Babu Saksena Collection.

३२३०२

Ram Babu Saksena Collection.
٢٧١
(١١٧٥)
٨٩١٥٤٣١٢
٣٣٢٠٤

Date	No.	Date	No.